SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Thursday, February 25, 1993

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at ten of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و
بینت من الھدی و الفرقان فمن شھد منکم الشھر
فلیصمہ و من کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام
اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر
ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ماھدکم ولعلکم تشکرون o

ترجمہ : (روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Thursday, February 25, 1993

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at ten of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و
بینت من الھدی و الفرقان فمن شھد منکم الشھر
فلیصمہ و من کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام
اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر
ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ماھدکم ولعلکم تشکرون o

ترجمہ : (روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں

موجود ہو چاہیئے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) ان کا شمار پورا کرلے خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔ اور (یہ آسانی کا حکم) اس لئے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کر لو اور اس احسان کے بدلے کہ خدا نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر کرو۔

(سورہ البقرۃ آیت 185)

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین: رخصت کی درخواستیں۔

جناب خواجہ حمید الدین سیالوی صاحب نے ذاتی مصروفیات کی بنا پر مورخہ 24 فروری تا اختتام حالیہ اجلاس ایوان سے رخصت کی درخواست کی ہے - کیا ایوان ان کی رخصت منظور فرماتا ہے۔

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین : جناب ڈاکٹر ریحان صاحب -

جناب محمد علی خان : آن پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب چیئرمین : جی محمد علی خان صاحب -

Mr. Muhammad Ali Khan Hoti: Sir, we have thirteen members sho would be taking part in the debate and it will not be possible for all of them to complete their speeches today. So, I suggest that we should give them another day that is Sunday; Private Members Day. And on Monday

and Tuesday we take up the legislative business, and on Wednesday we take up the Private Members Day.

جناب چیئرمین : ویسے سیشن کب تک چلانے کا ارادہ ہے آپ کا -

چوہدری عبدالغفور : اب تک تو چار تاریخ تک ہے اور میرا خیال ہے یہی تجویز جو ابھی ڈسکس ہوئی ہے مناسب معلوم ہوتی ہے- بدھ یا جمعرات کو اگر پرائیویٹ ممبر ڈے رکھ لیں تو ہم اس کو cover کر سکتے ہیں - اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ایک آدھ دن مزید بڑھا لیں گے چونکہ ہفتہ آ جائے گا اس کے بعد ایکسٹنڈ کرنا پڑے گا لیکن یہ بات صحیح ہے کہ ہم آج اس کو مکمل نہیں کرسکتے سنڈے کو مکمل کرلیں گے - اور اگلے دو یا تین دن لیجسلیشن اور ایک دن اسی ہفتے میں اکاموڈیٹ کر لیں جی پرائیویٹ ممبر ڈے -

جناب چیئرمین : اگر ضرورت پڑی تو extend بھی ہو سکتا ہے-

چوہدری عبدالغفور : جی ایک آدھ دن ہو سکتا ہے-

جناب محمد ابراہیم خان : جناب والا! جیسا کہ پہلے فیصلہ ہوا تھا کہ لیڈر کو تیس منٹ (آدھا گھنٹہ) اور عام ممبر کو بیس منٹ - تو اس حساب سے تیرہ ممبر ابھی رہتے ہیں بولنے کے لئے -

جناب چیئرمین : لیکن اس میں ہو سکتا ہے کوئی حاضر نہ ہو - بہرحال اگر ضرورت پڑی تو extend کر سکتے ہیں - جی جناب ڈاکٹر ریحان صاحب - بیس منٹ جناب -

FURTHER DISCUSSION ON THE ADDRESS OF THE PRESIDENT

ڈاکٹر محمد ریحان : اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم. جناب چیئرمین صاحب میں خدا سے یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس

کا اجر دے کہ آپ نے رمضان المبارک کے مبارک مہینے میں مجھے ایک اہم موضوع پر بولنے کا موقع دیا -

جناب چیئرمین : انشاءاللہ ضرور ملے گا -

محمد ریحان : جناب چیئرمین صاحب میں بولنا بھی نہیں چاہتا تھا چونکہ میں نے سنا ہے اور بزرگ لوگ یہ کہتے ہیں کہ

It is always better to be a good listner than to be a good speaker.

اور میں کوشش کرتا ہوں اپنے طور پر اور میں نے پریکٹس بھی شروع کی ہے بہرکیف نظریہ ضرورت کے مطابق میں چند باتوں پر صدر صاحب کے ارشاد پر گزارش کرنا چاہتا ہوں- جناب نظریہ ضرورت کے بے دریغ استعمال کا بھی میں مخالف ہوں لیکن بعض اوقات بعض حالات میں اس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا - جناب عالی صدر صاحب کا مجلس شوریٰ کو خطاب جو ایک آئینی فریضہ ہوتا ہے اور سال میں وہ ایک میزانیہ یا ایک رپورٹ لے آتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ گزشتہ سال میں کیا کچھ حاصل کیا گیا، کیا کامیابیاں ہوئیں - کس طرح ہم آگے بڑھے اور کیا کوتاہیاں تھیں کیا کمزوریاں تھیں، جو desired result تھے اس کے مطابق ہم نہ جا سکے - اور اس کے ساتھ ساتھ پھر وہ آگے بتاتے ہیں کہ ماضی کے حالات یا ماضی کی غلطیوں کی روشنی میں کیا اقدامات کئے جائیں کہ آگے کی طرف قدم بڑھایا جائے- جناب صدر صاحب بھی میری طرح جاپانی نژاد پولیٹیکل سائنٹسٹ فوقویاما کی celebrated thesis جو کہ مشہور ہے The End of History نہ وہ میرے خیال میں یقین رکھتے ہیں اور میں بھی نہیں کرتا ہوں کیونکہ ابھی end of history نہیں پہنچی اور ہم نے ابھی آگے کی طرف بھی سفر کرنا ہے-

جناب عالی! صدر صاحب ہمارے ایک صاحب بصیرت، ذہین، معاملہ فہم، مردم شناس اور قابل انسان ہیں اور انہوں نے بڑے اعلیٰ طریقے سے سب باتوں کی نشاندہی کی ہے اور اس کے مطابق انہوں نے جو کچھ کہا ان کو اس ہاؤس کے سامنے رکھ دیا- مجلس شوریٰ کے سامنے- اور جناب صدر صاحب نے یہ اس طرح بات کی ہے وہ پولیٹیکل کلچرل جو چاہیے تھا کہ ہم ڈیولپ کرتے وہ بدقسمتی سے اس

ملک میں ڈویلپ نہیں ہو سکا جناب عالی پولیٹیکل کلچر آسمان میں نہیں، وہ تو زمین پر بنتا ہے لیکن یہ ایک زبردست چیز ہے۔ آپ پولیٹیکل کلچر ہم اگر دیکھتے ہیں تو ماضی میں جیسے قائد اعظم رحمت اللہ علیہ نے خود کہا تھا کہ میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں ۔ اگر ان کو موقع ملتا، بدقسمتی سے موت نے اس کا راستہ روک دیا اور اگر اس دوران میں آگے وہ زندہ ہوتے یا ماضی میں اس کو کچھ موقع ملتا، کچھ ہوم ورک کر سکتے تو میرے خیال میں حالات وہ نہ ہوتے جس کی فریاد جناب صدر نے کی ہے ۔ جناب عالی ! ہم ایک تھرڈ ورلڈ کے ملک ہیں اور یہ بات بالکل صدر صاحب کی صحیح ہے کہ ہم کچھ کر لیتے ہیں۔ یہاں پر تو سانپ اور سیڑھی والا معاملہ ہے ۔ ہم سیڑھی پر چڑھ جاتے ہیں لیکن جب اوپر سرے پر پہنچ جاتے ہیں تو وہاں پر سانپ ہمیں ڈس لیتا ہے اور ہم واپس گر جاتے ہیں ۔ جناب یہ صرف ہمارے ملک میں نہیں ہے یہ تقریباً ساری تیسری دنیا کا المیہ ہے لیکن بہرکیف ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور یہ کہنا کہ یہ ہمارا مقدر ہے۔ ہم ایسا نہیں چاہتے ہیں ۔ ہم اپنی ماضی کی غلطیاں، ماضی میں جو کچھ ناکامیاں ہوئی ہیں ان کو سامنے رکھ کر انشاء اللہ آگے کی طرف بڑھتے رہیں گے۔

جناب عالی! مجھ سے پہلے چند صاحبان کی تقاریر کے دوران میں نے یہ سنا وہ کہہ رہے تھے کہ صدر صاحب کی پچھلے سال کی تقریر میں اور اس سال کی تقریر میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ بس صرف الفاظ کی توڑ مروڑ تھی۔ جناب عالی! میں ان صاحبان سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس دوران میں آپ صاحبان نے کیا تعمیری کردار ادا کیا یا کیا پیش رفت کی۔ جناب عالی! اس دوران میں جو لانگ مارچ اور ڈبل مارچ اور اس کے بعد ٹرین مارچ وغیرہ کی باتیں ہوتی رہی ہیں اس سے کس طرح ہماری قوم اپنی منزل کی طرف آگے بڑھ سکتی ہے۔ جناب عالی! پشتو کی ایک مثال ہے (پشتو) اس کا مطلب ہے جیسا گوشت ہو گا ویسا ہی شوربہ ہو گا۔ ہمیں یاد ہے کہ 1970ء یا 1970ء سے پہلے کہ اس ملک میں دما دم مست قلندر اور ہو جالو کی جو سیاست چل پڑی تھی اور جس نے سارے اداروں کو نہ صرف مفلوج کیا بلکہ تباہ کر دیا۔ اسی گھرانے سے یہی آوازیں کم از کم میرے لئے خلاف معمول نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو نیک راستے پر چلنے کی توفیق دے۔

جناب عالی! اس کے ساتھ ساتھ پشتو کی ایک اور کہاوت ہے۔ (پشتو) اگر

سو عادتیں کسی آدمی میں ہوں تو ایک اس میں اپنی ماں کی ہوتی ہے۔ لفظ ماں استعمال ہوا ہے جی جنرلی اس sence میں ماں اور باپ جو ہے وہ ایک ہی وقت میں استعمال ہوتے ہیں تو بعض لوگوں میں جو اپنی وراثت میں جو کچھ انہیں مل جاتا ہے وہ ان کی بدقسمتی ہے کہ وہ اسی راستے پر گامزن رہتے ہیں اور تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتے ہیں۔

جناب عالی! جو کچھ میں نے کہا اس سلسلہ میں پھر کہوں گا less said the better کیونکہ اگر اس پر ہم لگ جائیں تو اس سے کوئی اچھا فائدہ اور خواہ مخواہ ہمارے دل کو مزید دکھ ملیں گے۔ جناب عالی! صدر صاحب نے منتخب نمائندوں کے کردار اور اہلیت کی بات کی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ الیکشن میں کس طرح سے پیسے کے بل بوتے پر الیکشن ہائی جیک کیا جاتا ہے۔ جناب عالی! صدر صاحب کا فرمانا بالکل بجا ہے۔ انہوں نے تو اس طرح بات کی ہے جناب ابھی آپ کو اپنا سناتا ہوں۔ جب سے میں ممبر سینٹ منتخب ہو کر آیا ہوں تو directly بھی اور indirectly بھی میرے پاس یہ باتیں پہنچتی ہیں، لوگ کہتے ہیں جی کہ یہ کس قسم کا سینیٹر ہے۔ اس کے پاس جو گاڑی ہے SWIFT ہے۔ آج کل تو یونین کونسل کے چیئرمین کے پاس بھی اس سے بڑی گاڑی ہوتی ہے۔ نہ اس کے پاس کبھی کلاشنکوف ہوتی ہے۔ نہ کبھی کچھ اور ایک سینیٹر کے پاس تو مرسڈیز ہونی چاہیئے یا اس کے پاس نسان پٹرول ہونی چاہیئے اور کچھ نہیں تو کم از کم پجارو تو ضرور ہونی چاہیئے۔ اگر اس کے پاس یہ نہیں ہے تو سینیٹر کی پلیٹ کی کیوں بے عزتی کر رہا ہے۔ لیکن جناب میں ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں اور نہ ان باتوں میں آؤں گا۔ اللہ کا فضل ہے، شکر ہے اس کا احسان ہے۔ میں تو اس عظیم ہستی کا پیروکار ہوں۔ جناب مرحوم خان عبدالغفار خان کا جو ایک باعمل مسلمان تھے۔ جو سادگی کی تلقین کرتے تھے اور خود سادہ زندگی گزارتے تھے۔ یہ تو یہ ہے میرے پاسSWIFTگاڑی ہے اگر یہ نہ بھی ہو تو جناب مجھے بس پر آنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہو گا اور اگر بس بھی نہ ہوتی تو میں پیدل مارچ کروں گا اور یہاں آؤں گا۔ اس لئے نہیں کہ یہاں آ کر قبضہ کروں گا، پارلیمنٹ ہاؤس پر قبضہ کروں، وزیراعظم ہاؤس پر قبضہ کروں، صدارتی محل میں نہیں کہوں گا۔ صدارتی ایوان پر قبضہ کروں بلکہ اس لئے آؤں گا کہ اس کو جس طرح ایک عبادت گاہ ہوتی یا جس طرح پیروں، فقیروں کے مزار ہوتے ہیں، ایک احترام کے ساتھ یہاں آؤں گا۔ کیونکہ یہ پارلیمنٹ ہاؤس جو ہے ایک عبادت گاہ ہے۔ ملک میں عبادت گاہ

کی حیثیت رکھتا ہے میرے نزدیک۔

سید عبداللہ شاہ : ایک عبادت گاہ وہ ہے۔

جناب چیئرمین : وہ کون سی ہے جی۔

سید عبداللہ شاہ : وہ خود بتا رہے ہیں جناب۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب عالی! صدر صاحب نے ذکر کیا ہے ملکی معاشیات کی طرف۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں جہاں recession ہے، ڈپریشن ہے ہم اس سے کہاں جدا رہ سکتے ہیں۔ آخر ہم بھی اس گلوب کا ایک حصہ ہیں۔

جناب اس کے ساتھ ساتھ صدر صاحب نے جو پچھلے سال تباہ کن سیلاب آئے تھے اس طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے لیکن جناب بڑا اچھا ہوا حکومت نے بڑے بروقت اقدامات کئے تو قدرتی آفات ہیں، سیلاب جو ہیں وہ نوح علیہ السلام کے زمانے میں بھی آئے تھے۔ ان پر کسی کا قابو نہیں ہوتا ہے۔ سیلاب امریکہ میں بھی آتے ہیں۔ سیلاب فرانس میں بھی آتے ہیں۔ جرمنی میں بھی آتے رہے ہیں۔ چاینا میں بھی جو بڑے بڑے سپر پاورز ہیں، ہم تو ایک چھوٹا ملک ہیں۔ ایک غریب ملک ہیں لیکن جو بروقت حکومت کی طرف سے اقدام کئے گئے وہ قابلِ ستائش ہیں۔ جناب اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ہماری فوج نے اس میں بڑا اچھا کردار ادا کیا ہے۔ جناب میں یہ کہوں گا یہ کوئی colonial آرمی نہیں ہے۔ ہماری نیشنل آرمی ہے۔ اور ایک نیشنل آرمی سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں اگر وہ کوئی اچھا کام کرتی ہے اس کو داد دینا یقیناً بہت ضروری ہوتا ہے۔ جیسے ایک شاعر نے اپنے اشعار سنائے یا ایک کھلاڑی کھیل کھیلتا ہے، اچھا کھیلتا ہے، اس کو داد دینا بڑی اچھی بات ہوتی ہے تا کہ آئندہ کے لئے وہ اور مستعد رہے۔ لیکن صاحب میں اس کے ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ ہمارے فوجی بھائی جو کچھ کرتے ہیں لیکن ان کی خدمت میں ایک دو باتیں بڑے احترام کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ یہ سکوائش کا کھیل کھیلتے ہیں۔ یہ جو گولف کھیلتے ہیں۔ جناب یہ colonial آفیسرز کھیلا کرتے تھے۔ ہم تو غریب ملک ہیں۔ آپ کبڈی کھیلا کریں۔ والی بال کھیلا کریں۔ فٹ بال کھیلا کریں یا زیادہ سے زیادہ ٹینس

کھیلا کریں۔

جناب عالی! صدر صاحب نے یہ سب کچھ بجا کہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں ان کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ وہ جنگل مافیا کی طرف بھی توجہ دیں کیونکہ جنگل مافیا اس طرح بے دریغ ہمارے جنگلات کو نہ کاٹتا تو آج نہ سیلاب اتنی شدت سے آتے اور نہ ہمارے لئے ماحولیاتی آلودگی جس سے آج کل ہم دو چار ہیں۔ وہ پیدا ہوتی تو اس طرف ضرور توجہ دی جائے۔

جناب عالی! پرائیوٹائزیشن کی پالیسی۔ 1970ء سے پہلے کچھ حماقتیں کی گئی تھیں۔ جسکا خمیازہ آج تک ہم بھگت رہے ہیں۔ لیکن یہ بڑی اچھی بات ہے کہ وہ جو غلط کاریاں تھیں ان کا ازالہ کیا جائے۔ جناب عالی! لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ کہوں گا کہ پرائیویٹ سیکٹر کو یا مارکیٹ اکانومی جو ہے اس کو panacea سمجھا جائے کہ ایک امرت دھارا ہے۔ پبلک سیکٹر کا بھی ایک رول ہے۔ آخر ژوب میں یا مکران میں، وزیرستان میں، دیر میں، وہاں پر تو کوئی لاہور کا سرمایہ دار، چنیوٹ کا کوئی سیٹھ یا کراچی کا آدم جی وہاں جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ تو پبلک سیکٹر نے کام کرنا ہے۔ اور میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا تھا جناب عالی! اس کے ساتھ ساتھ بہت ضروری ہے یہ پرائیویٹائزیشن پالیسی، کے ساتھ جناب آپ توجہ فرمائیں۔ جناب یہ پرائیویٹائزیشن پالسی، کے ساتھ ساتھ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں concentration of wealth کی بہت زیادہ نگاہ رکھنی چاہیئے۔ جناب عالی! آپ کو خوب معلوم ہے کہ وہ سپر پاور جو آج کل دنیا میں صرف ایک رہ گیا ہے۔ کیا وہاں پر جمہوریت عوام کی جمہوریت ہے۔ جناب عالی! وہاں پر جائنٹس کارپوریشن کی جمہوریت ہے۔ McDonald, Douglas جنرل موٹرز، جنرل ڈائنامیکس، ایکسان آف ٹیکساس اور راک ویلز کیا کچھ نہیں جن کے نام آپ کو زیادہ آتے ہوں گے جمہوریت تو ان giant corporation کی ہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس طرح کنسنٹریشن یہاں بڑھتا رہا تو کل ایسا نہ ہو کہ یہاں پر جناب آدم جی، داؤد، حبیب، ولیکا، سہگل، منّوں اور یہ کیا کہتے ہیں منشاء گروپ اور توکل گروپ کہیں ان کو ڈیموکریسی نہ شروع ہو جائے۔

میرے خیال میں اس حالت میں ہمارے جیسے لوگ آپ پارلیمنٹ میں نہیں دیکھ سکیں گے۔ ہم یہ سمجھ لیں کہ کلنٹن صدر ہے۔ کلنٹن تو نوکر ہے ان Multinational کا۔

تو اس پر بڑی کڑی نظر رکھنی ہو گی۔ جناب عالی! صدر صاحب نے consumption habit کے متعلق فرمایا ہے۔ بالکل بجا فرمایا ہے۔ جناب والا! آج کل ہمارے ملک میں کیا ہے، ہر طرف consumerism اور exhibitionism کا دور چل رہا ہے۔ میں یہ suggest کرتا ہوں جو جو کوئی بھی وی وی آئی پی ہو یا وی آئی پی اسے اپنے حلف اٹھانے کے وقت یہ عہد بھی کرنا چاہیئے یا اس کے حلف میں یہ شامل ہو کہ وہ کسی شادی میں نہیں جائے گا۔ اس تقریب میں نہیں جائے گا جہاں پر ون ڈش سے زیادہ ڈشیں ہوں۔ شکریہ!

جناب چیئرمین : جی وہ تو جا کے ہی پتہ چلے گا کہ ون ہے کہ ٹو ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان : یہ بھی پتہ چل جاتا ہے جی۔

Syed Abdullah Shah: We will walk out, Sir.

(مداخلت)

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے جی، کارڈ میں لکھ دیا کریں۔

ڈاکٹر محمد ریحان : ہاں واک آؤٹ بھی ہو سکتا ہے جی بالکل صحیح ہے۔

جناب چیئرمین : ہاں یہ ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان : تا کہ اس کو پتہ چل جائے۔

جناب چیئرمین : یہ ہو سکتا ہے، یہ ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب عالی! یہ صدر صاحب نے سٹیمپس فوڈ سٹیمپس ، دالوں کی مہنگائی، سبزیوں کی مہنگائی، اس کی بات کی ہے، اچھی بات ہے لیکن جناب اس دوران میں وہ دوائیوں کی قیمتیں بھول گئے ہیں یا میرے خیال میں وہ نہیں بھولے۔ کاتب جس نے لکھی تھی یا پریس والوں سے کوئی غلطی ہو گئی

ہے کیونکہ اس طرف توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فیسوں کی بات اب میں نام نہیں لوں گا وہ حکیم ہو، ہومیوپیتھک ڈاکٹر ہو یا کوئی اور ڈاکٹر ہو جس طرح فیس آج کل لوگوں سے لی جاتی ہے وہ جناب اس پر بھی بڑی کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔

جناب عالی! ایران، عراق، شام یہ سب اسلامی ممالک ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے وسط ایشیا کی جو ریاستیں ہیں ازبکستان، تاجکستان وہاں پر کچھ سٹڈی کرنی چاہیئے کہ وہاں پر یہ قیمتیں کس طرح چڑھتی ہیں یا اعتدال میں رہتی ہیں یا stable رہتی ہیں۔ اس طرف توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ جناب ماحول کی آلودگی اور اسلامی معاشرے کے متعلق انہوں نے فرمایا ہے۔ جناب عالی! بڑی سیدھی بات ہے، محسن انسانیت حضرت محمدؐ نے کیا کیا تھا۔ انہوں نے اونچ نیچ کا سماج ختم کر دیا تھا۔ حضرت بلال حبشیؓ کو لا کر قریش کے سرداروں کے ساتھ بٹھایا تھا اور اس طرح اور کام انہوں نے کئے۔ خود محنت کی جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی وہ اس میں خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔ جناب عالی! ضرورت اس بات کی ہے ہمیں لمبے چوڑے اداروں سے جو رپورٹ ملتی رہتی ہیں کہ یہ فلاں present کرے گا یہ present کرے گا۔ یہ تو سیدھی سادھی باتیں ہیں۔ آپ وہ کریں آ جائیں اونچ نیچ کے معاشرے کو ایک دھکا دے دیں جو نہ صرف جناب غیر انسانی ہے، غیر اخلاقی ہے بلکہ غیر اسلامی بھی ہے۔

جناب میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں منافق اور قرآن پاک میں منافق کی جتنی condemnation کی گئی ہے اتنی جو ہے ایک کافر کی نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں منافقت کے کام سے بھی بچا لے اور منافقت کے نام سے بھی بچا لے۔

جناب سندھ میں فوج کے deployment کی بات کی گئی ہے یہ وقتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ ٹھیک ہے لیکن یہ تو ایسی بات ہو گئی جیسے کسی کو گردے کا درد ہو اور وہ تڑپ رہا ہو، بے چین ہو تو آپ اسے جا کے ایسا انجیکشن لگاتے ہیں جس سے فوری طور پر اس کو آرام مل جاتا ہے لیکن یہ اس کا حل نہیں کہ آپ بار بار اس کو یہ انجیکشن لگاتے رہتے ہیں۔ اس کا باقاعدہ investigation ہونا چاہیئے اور اس کا اگر جو آپریشن ہو سرجری ہو یا کوئی اور

ٹریٹمنٹ ۔ اس کا ریڈیکل یعنی بنیادی ٹریٹمنٹ ہونا چاہیئے توجناب عالی! میں یہ سمجھتا ہوں کہ جتنا جلد ہو سکے سندھ میں انتخابات کرائے جائیں اور وہاں کے لوگوں کی پاپولر گورنمنٹ ہو، وہ سب کچھ ان کے حوالے کیا جائے۔ میرا خیال ہے نہ وہاں پر کوئی فساد ہو گا، نہ کوئی ڈاکو ہو گا، نہ کوئی قاتل ہو گا اور نہ کوئی اور رہزن ہو گا۔ جناب عالی! یہ ہیں میری گزارشات اس سلسلے میں جی جناب عالی! میں سمجھتا ہوں کہ فوج کا کام جو ہے وہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ صرف professional soldiers رہیں اور اپنا زیادہ وقت exercises میں pratice میں گزاریں اور ملکی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کریں۔ یہ اس طرح جناب آگے انہوں نے کشمیر کا ذکر کیا ہے۔ جناب میں سمجھتا ہوں کہ کشمیر کا مسئلہ کشمیریوں کا ہے اور اگر خود ارادیت کی بات آتی ہے تو ہم نہ صرف کشمیریوں کی حمایت کریں گے بلکہ دنیا کے کسی کونے میں چاہے ان کا عقیدہ کوئی بھی ہو۔ چاہے وہ کیسے انسان ہوں ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان کے اس جائز حق کے لئے ان کا ساتھ دیں۔

جناب اس طرح بھارت کے ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ شملہ کے معاہدے کے مطابق ان کے ساتھ جو ہے بات چیت کرنی چاہیئے اور پڑوسیوں کے ساتھ بھائی چارہ اور محبت اور شانتی کے ساتھ رہنا جو ہے یہ بہت ضروری ہے۔ ہمارا اپنا مذہب اسلام بھی ہمیں اس کی تلقین کر رہا ہے۔ جناب عالی! بات آ جاتی ہے بابری مسجد کی۔ ٹھیک ہے وہاں پر تو کوئی جونی پاگل قسم کے لوگ جیسے میں نے اس ڈبیٹ میں بھی کہا تھا کہ جب بابری مسجد پر ہو رہا تھا کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان نے حملے کر کے وحشیوں کی طرح لوگوں کے سر کاٹے، ان کی دیواریں بنائیں اور ان کے ساتھ ساتھ انہوں نے عصمتیں لوٹیں، انہوں نے شہر کے شہر جلا ڈالے لیکن ایک بات ریکارڈ پر ہے کہ انہوں نے مذہبی عبادت گاہوں کو نہیں چھیڑا تھا لیکن جو کچھ وہاں پر بھارت میں ہوا، میرے خیال میں وہاں کے fanatics نے، وہاں کے فرقہ پرستوں نے وہاں کے انتہا پسندوں نے اپنے ملک کو بڑا ذلیل کیا۔ لیکن اس سلسلے میں ہمیں بھی ایک بات یاد رکھنی چاہیئے، جناب عالی! قرآن پاک میں ہاتھی والوں کا جو قصہ ہے وہ تو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جب کہتے ہیں کہ ابراھا ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کی طرف بڑھا اور اس کو مسمار کرنے لگا تھا اور حضر عبدالمطلب جو ہمارے نبیؐ پیارے نبیؐ کے دادا تھے جب وہ سامنے ملے تو ان سے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا مجھے اپنے اونٹ واپس کرو جو تمہارے لوگوں نے مجھ سے لوٹے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں تو تمہارے خانہ

کعبہ کو demolish کرنے آیا ہوں تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ جناب حضرت عبدالمطلب نے کہا اونٹ تو میرے ہیں اور خانہ کعبہ کا مالک جو ہے وہ خود اسے سنبھال لے گا۔ جناب عالی! یہ قرآن پاک میں ہے۔ ان باتوں پر ہمیں جذباتی نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمیں ذرا ہوش سے کام لینا چاہیئے۔ وہاں پر انہوں نے ایک ذلیل کام کیا اور ہماری ان پر اخلاقی برتری تھی لیکن ہم نے اپنی اخلاقی برتری کو جس طریقے سے ختم کیا جناب عالی! مجھے مزید اس سلسلے میں آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ ایوان کا وقت لوں۔ وہ سب کو معلوم ہے۔ جناب عالی! بھارت کے مسلمان جو آج کل تقریباً پندرہ کروڑ کی تعداد میں ہیں، ہم روزانہ ان کے لئے فکر مند رہتے ہیں اور یہاں سے باتیں کرتے ہیں۔ جناب عالی! میرے خیال میں ان کو hostages نہیں بنانا چاہیئے۔ بھارت کے مسلمان بھارت کے لوگ ہیں، وہاں پر رہتے ہیں اور میں اس سلسلے میں چاہتا ہوں میں اپنے ناچیز، اپنے محدود علم اور اپنی محدود سوچ کے ساتھ بھارت کے مسلمانوں کو یہ تلقین کرتا ہوں کہ وہ وہاں پر رہتے ہوئے جناب مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم، جناب حسین احمد مدنی مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین رفیع احمد قدوائی صاحب اور کئی اور ان کے ارشادات پر عمل کریں اور ان کے راستے پر گامزن ہوں تا کہ وہ وہاں پر امن اور سکون کی زندگی گزار سکیں۔ بھارت کے ہندو بھی آخر انسان ہیں، ان کو بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ اپنے ملک میں سی آر راس آنجہانی، سوبھاش چندر، نوس ، گوکھلے اور پنڈت جواہرلال نہرو آنجہانی کے راستے پر چلیں اور اس طرح وہاں کے پارسی جو ہیں وہ جناب آنجہانی دادا بھائی نورو جی کے راستے پر چلیں تو وہاں پر انشاء اللہ امن رہے گا اور انکے پڑوسی ممالک کے ساتھ بھی انکا بھائی چارہ اور امن کے ساتھ وقت گزرے گا۔ اس طریقے سے پاکستان میں جناب میں چاہتا ہوں کہ ملک میں اپنے ہم وطن ساتھیوں اور دوستوں اور بھائیوں کو یہ کہہ دوں کہ یہاں پر رہتے ہوئے ہمیں مرحوم خانعبدالغفارخان، حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ، جناب شیخ عبدالمجید سندھی، حیدر بخش جتوئی، میاں افتخار الدین، راجہ غضنفر علی خان عبدالصمد خان اچکزئی اور غوث بخش بزنجو کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیئے اور ان کی کہی ہوئی باتوں پر، راستے پر چلنا چاہیئے تاکہ یہاں پر بھی امن سکون ہو اپنے ملک میں اور پڑوسی ممالک کے ساتھ بھی ہمارے اچھے تعلقات قائم ہوں اور ہم خوشی اور امن کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

جناب چیئرمین: اب میرے خیال میں وائنڈ اپ کرلیں جی۔

ڈاکٹر محمد ریحان: جناب یہ بس ابھی جلدی ہو رہا ہے جی جناب عالی ! صدر صاحب کی تقریر میں افغانستان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جناب یہ تو پرانی کہاوت ہے کہ دو سنڈھوں یا دو مچھوں کی لڑائی میں مینڈک جو ہیں خواہ مخواہ کچلے ہو جاتے ہیں، سینڈوچ ہو جاتے ہیں یا وہ کچل دیئے جاتے ہیں تو جناب عالی! ہوا کیا یہاں پر وہ شروع کیا گیا تھا کہ جی روس آ گیا روس آ گیا، یہ ہو گیا، طوفان آ گیا، یہ آ گیا اور یہاں سے جی جناب امریکہ اور برطانیہ اور پھر جیسے ملک اور اسلام کا غم جو ہے وہ دکھایا جانے لگا اور دھڑا دھڑ یہاں پر گولہ بارود اور کیا کچھ کرتے رہے اور ان بیچاروں میں 15 لاکھ لوگ جو ہیں وہ مر گئے۔ کئی جو ہیں مفلوج ہو گئے ہیں، اپاہج ہو گئے ہیں اور کوئی اندھے ہو گئے ہیں کوئی گونگے ہو گئے ہیں، کوئی بہرے ہو گئے ہیں۔ جناب عالی! ہوا وہی جس وقت سویت یونین نے کہا میں جاتا ہوں امریکہ نے کہا کہ میرا کام ہو گیا اب میں نے ویت نام کا بدلہ لے لیا۔

ہوا تو وہ تھا لیکن یہ ہمارے جیسے لوگ جو کہ سمجھتے نہیں ہیں، پشتو میں جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو کسی نے کہا کہ کتا آپ کا کان کھینچ کر لے گیا تو آپ کتے کے پیچھے دوڑتے ہیں لیکن اپنے کان کو ہاتھ نہیں لگاتے ہیں۔ ہمارے بھائیوں کے ساتھ وہی حشر ہوا ہے۔ اب جناب وہاں پر جو کچھ موجودہ وقت میں ہو رہا ہے یہ تو اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ 15 دن میں کابل شہر جو ہے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی - وہاں پر تقریباً پندرہ دن میں دو ہزار سے زیادہ لوگ جو ہیں وہ قتل ہو چکے ہیں اور مارے گئے ہیں۔ وہاں پر بے چاری عورتیں جو ہیں ان کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ کیا یہ مسلمانی ہے، کیا یہ اسلام ہے۔ جناب والا! ہرگز نہیں، یہ انسانیت کے ساتھ ایک بڑا ظلم ہے۔ اب ہمارے ایک ریٹائرڈ جنرل صاحب حمید گل، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس کو کس نے بھیجا ہے۔ میں یہ حق رکھتا ہوں کہ اس فلور پر یہ بات پوچھوں کہ آخر اس کو کس نے بھیجا ہے۔ کیا ہم کسی پڑوسی ملک کے اندر، اس کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیتے۔ افغانستان کے مسئلے کا ایک ہی حل ہے کہ افغانستان کا مسئلہ افغانوں کا مسئلہ ہے ان پر چھوڑ دیا جائے۔ میرے خیال میں وہ اگر ان پڑھ بھی ہیں تو اتنا شعور ان میں ہے وہ سمجھتے ہیں، وہ اپنے قبائلی جرگوں کو سمجھتے ہیں۔ تو میرے خیال میں جلد از جلد وہ معاملہ اپنا سلجھا لیں گے اور انشاء اللہ وہاں پر امن

آجائے گا، اس کے بعد ترقی کا دور شروع ہو گا۔ اگر پھر وہ ہم سے امداد مانگیں کہ آئیں بھی ہمارے ساتھ مدد کرو تو پھر ہمارا اخلاقی قرض بنتا ہے کہ نہ صرف وہ مسلمان ہیں یا ان کا ہمارے ساتھ لسانی رشتہ بھی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اور پڑوسی ہونے کی بنیاد پر بھی ہم ان کی مدد کریں۔ جناب والا!

جناب چیئرمین: کافی ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان: مہربانی کریں۔ ایک دو باتیں رہ گئی ہیں۔ صدر صاحب نے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی عدم موجودگی کا رونا رویا ہے۔ میں اسے یہی کہوں گا جناب عالی! اتفاق و اتحاد نہ عقیدے کی بنیاد پر کبھی آئی ہے اور نہ آئے گی۔ جناب عالی! اگر ایسا ہوتا تو یزید اور حضرت امام حسینؓ کے درمیان جھگڑا نہ ہوتا۔ جناب والا! اتحاد صرف ایک ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی آپس میں قدریں مشترک ہوں، جن کے مفادات مشترک ہوں۔ تو ظالم کی اپنی طرف ہے اور مظلوم کی اپنی طرف ہے۔ میں یہ باتیں اس لئے کہہ ہوں جناب کہ میں یہ سمجھتا ہوں میں نے نیچرل سائینسز تو پڑھی ہیں اور آج کل میں سوشل سائنسز یعنی تاریخ اور پولیٹیکل سائنس کا ایک ادنٰی طالب علم ہوں۔ جناب والا! یہ سائنس کی دنیا ہے اور ہم نے ہر طریقے کو اور ہر بات کو سائنسی بنیاد سے لینا ہے۔

جناب چیئرمین: میرے خیال میں وائینڈ آپ کرلیں، کافی زیادہ ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان: جناب روس کے ساتھ تعلقات کا کہا گیا ہے کہ جب روس کا وہ ہو گیا تو انہوں نے یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ آئندہ کے لئے پاکستان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ جناب والا! آپ یہ بات مجھ جیسے ایک غریب یا ناچیز سے سن لیں جناب والا! ۱۹۶۰ء میں جو امریکیوں نے یہاں پرجاسوسی کا اڈہ بنایا تھا۔ آپ کی information کے لئے اور اس سارے ہاؤس کی انفرمیشن کے لئے وہ جناب، جہاں میری جنم بھومی ہے، جہاں میں پیدا ہوا ہوں، بڈھ بیر گاؤں، پشاور سے تین میل کے فاصلے پر کوہاٹ روڈ پر وہ جاسوسی کا اڈہ میرے گاؤں میں بنایا گیا تھا۔ اگر اب کوئی آدمی کسی کے دشمن کے ساتھ، امریکہ دشمن تھا روس کا اور پاکستان کی حکومت نے ان کو اڈہ دیا تو کیا یہاں پر اڈہ دے

کر روس والے ہمیں وہاں پر پھولوں کی مالا دیتے، ہار دیتے یا انگوروں یا انار کے ٹوکرے دیتے۔ انہوں نے تو وہی کرنا تھا۔ اس وقت کے صاحب نے کہا کہ ہم نے بڈھ بیر کے اردو گرد سرخ لکیر کھینچی ہے۔ جنرل مجید صاحب دیکھ رہے ہیں، میرے خیال میں ان کو یہ سب باتیں معلوم ہوں گی۔

جناب چیئرمین: جی سب اس لئے دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا کم از کم دس منٹ اور ہوگیا ہے وقت۔

ڈاکٹر محمد ریحان: جی ایک منٹ جی بس یہ آخری باتیں۔

جناب چیئرمین: آخری اب کریں ناں۔ اب آخری آخری بہت ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان: جناب والا! بہرکیف میں عرض کرتا ہوں اور میں پروفیسر خورشید، مشہور تاریخ دان پروفیسر ٹائم بی کے اس مقولہ کو جو وہ کہتا ہے کہ تاریخ کا بڑا المیہ یہ ہے کہ تاریخ سے کبھی سبق نہیں سیکھا۔ لیکن انشاء اللہ میں، میرے ہم وطن، ہم اس کا یہ قول جو ہے اس کو ہم غلط ثابت کریں گے۔ ہم نے اپنی ماضی کی غلطیوں سے بہت کچھ سیکھا ہے اور اب انشاء اللہ ان غلطیوں کی نسبت ہم آگے کی طرف ایک روشن اور خوشحال پاکستان بنانے کی طرف انشاء اللہ آگے بڑھتے رہیں گے۔ جناب والا! آخری بات.........

جناب چیئرمین: جی کر دیں۔

ڈاکٹر محمد ریحان: خواتین کی نشستوں کی بات تو تقریباً سب مقررین نے کردی تھی کہ جی ان کو اپنی نشستیں ملنی چاہیئں۔ ٹھیک ہے جی خواتین تو پھر بھی صبر کے دن پیدا ہوئی ہیں۔ یہ جو ہمارے پچاس ساٹھ لاکھ قبائلی بھائی ہیں۔ پاکستان کے آئین کے مطابق ہر پاکستانی جو adult ہو، بالغ ہو اور جس کا دماغی توازن درست ہو اس کو ووٹ کا حق ہے تو کیا یہ پچاس ساٹھ لاکھ جو ہمارے قبائلی بھائی ہیں یہ نابالغ ہیں یا خدانخواستہ ان کا دماغ خراب ہے۔ جناب والا! میں نے خدانخواستہ کہا ہے۔ جناب والا! خواتین کی بھی ہم فکر کریں گے لیکن خواتین کے ساتھ ساتھ ان باغیرت اور بامروت قبائلی بھائی جو ہیں ان کو ووٹ کا حق کب

دیا جائے گا۔ جناب والا! آخر میں، میں یہ عرض کروں گا اور اس کے ساتھ بات ختم ہو جائے گی۔ آج کل ہم اخبارات میں بہت پڑھتے رہتے ہیں کہ صدر صاحب کی عمر کوئی کہتا ہے کہ 75 سال ہوگئی ہے، کوئی کہتا ہے کہ 85 ہو گئی ہے، کوئی کہتا ہے 95 ہوگئی ہے۔ میں یہ نہیں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی 75 کا ہو گیا ہے یا 85 کا یا 95 کا ہو گیا ہے تو کیا ہو گیا ہے۔ میں اس میں نہیں جاتا ہوں کہ یہ اس طرح ہونا چاہیئے۔ میں اس طرف جناب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، ایک تو طبی نکتے کے لحاظ سے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کی عمر 85 سال ہو جائے تو وہ ناکارہ ہو جاتا ہے۔ صدر صاحب کو تو میں جناب 46ء سے یا 45ء سے جب میں پانچویں یا چھٹی جماعت کا طالب علم تھا اس وقت جب دیکھتا تھا اور آج جب دیکھتا ہوں وہ تو بالکل ویسے ہی صحت مند ہیں.........

جناب چیئرمین: شکریہ جی۔

ڈاکٹر محمد ریحان: آخری بات جی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جناب والا! حضرت نوح علیہ السلام کی کتنی عمر تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر اگر 900 سال تھی تو کیا اگر کسی صدر صاحب کی عمر اڑھائی سو یا تین سو سال یا ساڑھے تین سو سال ہو جائے تو کیا فرق پڑے گا۔ اس کے ساتھ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں شکریہ جی!

جناب چیئرمین: شکریہ۔ جی جناب بہرہ ور سعید صاحب۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید:

نہ تم بدلے نہ دل بدلا نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبار انقلاب آسمان کر لوں

جناب چیئرمین: شکریہ جی! فصیح صاحب آپ اس وقت بولنا چاہیں گے۔

سید فصیح اقبال: جی یقیناً بولوں گا۔ شکریہ چیئرمین صاحب۔ بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ میرے دوست جناب ڈاکٹر ریحان صاحب نے بڑی دلچسپ اور بڑی

اچھی تقریر کی اور میرا خیال ہے کہ بہت سے ایسے موضوع بیچ میں لائے لیکن اس کے لئے 20 منٹ کافی نہیں ہیں کسی بھی چیزوں کو سمونا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو صدر صاحب کا خطاب ہے یہ ایک ایسی دستاویز ہوتی ہے کہ یہ دراصل حکومت کے لئے stock taking اور balance sheet کے مترادف ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ پارلیمانی جمہوریت میں رواج ہے، تمام دنیا میں وہاں لندن میں بھی اور ہمارے قریب پڑوسی ممالک انڈیا میں کہ اس تقریر میں سارے سال کا جائزہ لیا جاتا ہے اور کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جس میں directions بھی ہوتی ہیں اور حکومت کی کارکردگی اور پارلیمنٹ جس کے سامنے حکومت جوابدہ ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ کی بالادستی کے لئے ایسی چیزیں ہوتی ہیں جس میں پارلیمنٹ کے ممبران کو آگے چل کر اس نئے سال کے لئے اپنی نئی حکمت عملی اور نئی پالیسی بنانی پڑتی ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ صدر صاحب نے جس طرح سے جو باتیں کی ہیں نہایت بہتر ہیں اور پچھلے سال سے کچھ تجاویز میں اور کچھ کارکردگی میں انہوں نے جہاں ایسی چیزیں دیکھی ہیں جہاں تنقید کی ضرورت تھی انہوں نے بالکل برملا اس کا اظہار کیا ہے اور جہاں انہوں نے دیکھا ہے کہ اگر حکومت نے بہتر طور پر کام کیا ہے نتائج کے اعتبار سے وہ نتائج نہیں مل سکے لیکن پھر بھی حکومت کی نیت کا ذکر کیا ہے۔ ممبران کی کارکردگی کے اوپر انہوں نے کچھ اظہار کیا ہے۔

میں شروع کرتا ہوں چند پوائنٹس سے۔ اس کے بعد میں پھر فیڈریشن کے بارے میں بھی بات کرنا چاہتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے جناب کہ جیسے صدر صاحب نے صحیح کہا ہے کہ ابھی تک ہمارے ملک میں سیاسی کلچر، سیاسی کلچر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی سپیشل کوئی خصوصی چیز یہ ہے کہ رواداری کی کمی ہے۔ جب سے پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے تو شروع سے ہی سیاسی طور پر یہاں پارٹیاں مستحکم اس لئے نہیں ہوسکیں کہ مسلسل سازشیں، محلاتی سازشیں، صدارتی سازشیں اور اس تمام علاقے میں سروسز کا بڑا رول رہا ہے۔ اس میں یعنی میں بڑے افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ پاکستان کی سروسز میں یہ فوج بھی آتی ہے، سول سرونٹس بھی آتے ہیں اور بزنس مین بھی آتے ہیں۔ ان تمام نے مل کر اور اس میں چند لوگوں نے، طالع آزماؤں نے موقع پر ہمیشہ ایسی چیزیں کیں کہ جس سے جمہوریت کو نقصان پہنچا اور وہ کبھی بچ آج تک نہیں نکل سکا۔ اور آج کل یہ جو اخبارات میں اور یہ عدالت میں جو، میں عدالت کا بڑا احترام کرتا ہوں، میں اس کا ذکر نہیں کروں گا۔ اس قسم کی چیزیں جو آنا ہیں ہو سکتا ہے کہ

اس سے بہت سے بچ نکلیں اور اسی قسم کے حالات پاکستان میں رہے ہیں۔

تمیزالدین صاحب جب اسپیکر تھے اس وقت نیشنل اسمبلی توڑ دی گئی۔ اس وقت کے فیصلے کے بارے میں کافی لوگوں کے ریمارکس موجود ہیں اور اس وقت بھی انہوں نے ایک طالع آزما آمر کو حکومت دے دی۔ ایک سروس مین کو اور مرحوم گورنر جنرل غلام محمد نے جس طرح پامال کیا جمہوریت کو آج تک اس کی سزا بھگت رہا ہے۔ پاکستان دو لخت ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برابری کی بنیاد پر اور جو جمہوریت کے اصول ہیں اور میں تو سمجھتا ہوں کہ قائداعظم کے وہ تمام اصول جو پاکستان کے قیام کی وجہ بنے، ان سے بری طرح سے روگردانی کی گئی۔ پاکستان ایسا ملک تھا جس میں برابری کی بنیاد پر تمام چھوٹی یونٹوں کو اگر اعتماد میں لیا جاتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ آج پاکستان اکیسویں صدی میں داخل ہونے سے پہلے اتنا ترقی یافتہ ملک ہوتا کہ اس ریجن میں ابھی بھی خدا کا شکر ہے لیکن یہ اس وقت دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں شامل ہوتا لیکن ہم نے نہ صرف اپنے قائد کے فرمان بلکہ تاریخ کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ جو لوگ قائداعظم کے ساتھ نہیں تھے انہوں نے دعوی کیا، میں سمجھتا ہوں کہ جمہوری اصول دنیا میں جہاں بھی پریکٹس ہو رہے ہیں انہوں نے سابقہ غلطیوں کا ہمیشہ ازالہ کیا ہے۔ ہم نے پاکستان میں وہ غلطیاں بار بار دہرائی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ سازشیں چلتی رہی ہیں۔

صدر صاحب کا میں بڑا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس طرف پوری توجہ دی ہے اور مدبرانہ باتیں کی ہیں کہ اگر پالیمنٹ کے لوگ جو آتے ہیں ان کے فرائض بھی انہوں نے بتائے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ فرائض اس لئے بتائے ہیں کہ آج کل الیکشن کا معاملہ اتنا سستا نہیں رہا۔ یہ اتنا پیچیدہ بن چکا ہے کہ اس میں ایک سسٹم میں کوئی آ ہی نہیں سکتا۔ کوئی بھی غریب آدمی اس سسٹم میں کیسے آ سکتا ہے۔ اگر حکومت کا آرڈر پچاس ہزار خرچ کرنے کا ہے تو حکومت کو علم ہے کہ یہاں پانچ کروڑ خرچ ہوئے لیکن حکومت بے بس ہے۔ اس طرح حکومت یرغمال ہو جاتی ہے ممبروں کے سامنے۔ وہ کیوں؟ وہ اس لئے کہ خود حکومت اس میں ملوث ہوتی ہے۔ اس وجہ سے، مصلحت نوازی کی وجہ سے ملک کا بڑا نقصان ہوا ہے اور جمہوری قدریں اب تک پاکستان میں پنپ نہیں سکیں اور جب بھی کسی نے کوشش کی اس کو بری طرح سے نکالا گیا اور سیاسی طور پر جمہوریت کا قتل کیا گیا۔ ملک میں 22 سال مارشل لاء رہا۔ کوئی بھی شخص مارشل

لاء کی حمایت نہیں کرسکتا لیکن ایسے موقع پر یہ الزام آیا ہے کہ سیاسی لیڈروں نے اس طرف کوشش کی کیوں کہ ایک آمر کے دور میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خوشامدی اور جی حضوری، وہ ہر دور میں ہوتے ہیں اور وہ اسی طرف آجاتے ہیں۔ اس طرح سے حکومت کا کاروبار چلایا جاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب پاکستان کے لوگ بیدار ہوچکے ہیں اور اب ایسی باتوں کے لئے فضا ہی نہیں ہے۔ جو لوگ ایسا سوچتے ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں بار بار کے تجربے سے ملک کو نقصان پہنچا اور اب عوام بیدار ہو چکے ہیں عوام کے مسائل جوں کے توں ہیں۔ ابھی تک ہر حکومت نے بنیادی حقوق دینے کے متعلق اعلان ضرور کئے ہیں لیکن عمل نہیں کیا۔

صدر صاحب نے یہاں کی معیشت کے سلسلے میں جہاں تک بتایا ہے، پاکستان کو خسارے کا بہت بڑا سامنا ہے۔ ہمارا financial gap اتنا ہے کہ ہم اب نوٹ چھاپ رہے ہیں ہمارے ایک ممبر نے درست کہا تھا کہ اگر معیشت میں عدم توازن برقرار رہا تو ملک اسی طرح رہے گا۔ البتہ اس حکومت نے چند باتیں بڑی بہادرانہ کی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ان کی ہمیں تعریف کرنی چاہیئے۔

جہاں تک tramparancy کا تعلق ہے۔ یہ بھی حکومت کا کام ہے کہ جو بھی کام کرے پارلیمنٹ سے ضرور منظور کرائے۔ سینٹ اور اسمبلی دونوں کو ملا کر شوریٰ کہا جاتا ہے، یہ پارلیمنٹ ہے۔ میں نے تو یہاں کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی۔ حکومت نے جو بھی فیصلے کئے ہیں کتنے بھی اچھے ہوں، کتنے بھی خوش نیتی سے ہوں وہ فیصلے پارلیمنٹ سے باہر کئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ جمہوری روایات کے مطابق نہیں ہے۔ ہمیشہ جو بھی فیصلے ہوں وہ پارلیمنٹ کے ضرور سامنے آنے چاہئیں جو بھی منصوبے ہوں (پارلیمنٹ میں منتخب نمائندے موجود ہیں) ان پر بحث مباحثے ہوں، اس سے بڑی چیزیں سامنے آتی ہیں۔ آخرکار اسمبلی کا طریقہ کار تو یہی ہے کہ جب ایک بل آتا ہے اس میں ترمیمیں ہوتی ہیں، اس کے بعد ہمارے اپوزیشن ممبرز ہیں، ہمارے حکومتی ممبران ہیں اور وہ اپنی رائے دیتے ہیں اور ایک نئی چیز سامنے آتی ہے اور وہ سارے ملک کے لئے قابل قبول ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں جو فیصلے حکومت اچھے کر رہی ہے ان کو بھی پارلیمنٹ کے ذریعے کرنا چاہیئے تھا جہاں کہیں کمی رہ جاتی ہے اور کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں وہ

standardized کردی جاتی ہیں۔

جہاں تک اس حکومت کی کارکردگی کا تعلق ہے اس کے بارے میں صدر صاحب نے کچھ چیزیں ایسی لکھی ہیں haste کے سلسلے میں بعض منصوبے آئندہ نسلوں کے لئے بنائے جاتے ہیں ملک کے لئے جو بھی منصوبہ بنے اس کے ساتھ بڑا غورو فکر کیا جائے۔ آج آپ دیکھیں کہ پاکستان میں 45 سال سے جتنے 5 سالہ منصوبے ہیں بہت سے منصوبے عارضی ثابت ہوئے۔ ہماری اسٹیل مل لیجئے۔ یہ جب بنائی گئی تھی اس وقت کیا پوزیشن تھی آج 40 سال بعد وہ کام کرنے کے قابل ہوئی ہے اس کو چالیس سال لگ گئے ہیں۔ آپ یہ دیکھیں کہ سرکاری اجارہ داری ہونے کے باوجود بھی پاکستان کے جتنے منصوبے ہیں، واپڈا کا دیکھئے جتنے منصوبے ہیں، آج ہمارا ملک سب سے زیادہ energy کا شکار ہے یعنی اتنا تعطل ہے اس کے باوجود کہ وہ کہتے ہیں کہ لوڈ شیڈنگ نہیں ہو گی۔ ہمارے اپنے صوبے میں اور دوسرے علاقوں میں بھی لوڈشیڈنگ برابر ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ دیہاتی آدمی کو کوئی جمہوری حق نہیں ہے کہ وہ کسی سے احتجاج کرے۔ اس طرح سے بہت سی چیزیں ہیں۔ 40 سال سے communications کا مسئلہ تھا صرف اسی حکومت کو کیوں یہ خیال آیا کہ روڈز بنائی جائیں اس لئے کہ جب تک آپ بنیادی طور پر انفراسٹرکچر پوری طرح تبدیل نہیں کریں گے اورترقی بھی آپ اس پیٹرن میں کریں گے جس طرح کے جنوبی ایشا کے چند ممالک نے کی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ حکومت کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ جو B.O.T سسٹم رائج کیا ہے۔ اس سے یہ ہے کہ اگر پاکستان کے پاس اتنے وسائل نہ بھی ہوں تو آپ دیکھیئے تھائی لینڈ، انڈونیشیا وہ تمام ملک اپنے پاؤں پر اس لئے کھڑے ہوئے ہیں انہوں نے اپنی اوپن مارکیٹ میں ان تمام فرموں کو تمام multinations کو allow کیا اور اپنا ایک پیٹرن بنایا کہ آپ یہاں invest کریں اور یہاں سے earn کر کے لے جائیں۔ میرے خیال میں پاکستان میں اس اسکیم نے financial package میں کافی تقویت دی ہے اور کافی ممالک اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

پھر law and order کا مسئلہ آتا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو پارٹی بھی حکومت میں ہو وہ لوگوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ

پہلی حکومت میں بھی یہ ہوا کہ اس پارٹی میں بھی اچھے اور برے لوگ ہوں گے۔ ہماری پارٹی میں بھی ایسے ہیں۔ یہ ضروری ہے آپ دیکھیں کہ اپوزیشن کا رول اس میں بہت بڑا ہے national issues پر ہمیشہ میرے خیال میں کوئی بھی حکومت، آپ انگلینڈ میں دیکھیں کہ جو جمہوریت کی ماں کہلاتا ہے وہ ملک، لیکن قومی مسائل ان کے ایک ہی ہیں جس میں دونوں پارٹیوں کا نقطہ نظر ایک ہے۔ ہمارے ہاں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ملک کے تمام مفادات ان پارٹیوں کے مفادات پر اور ذاتی مفادات پر قربان کر دیئے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرف صدر صاحب نے کافی توجہ دلائی۔

تعلیمی پالیسی شکر کیا ہے کہ (پاکستان میں اب کئی تعلیمی پالیساں آ چکی ہیں) اس حکومت کی تعلیمی پالیسی آئی ہے یہ بڑی لبرل پالیسی ہے یہ اچھی پالیسی ہے سوال یہ ہے کہ جو پچھلی پالیسیاں آئی تھیں ان میں کبھی بھی انہوں نے عمل درآمد کرایا۔ کبھی کسی گورنمنٹ نے یہ (نہیں) بتایا کہ اس پالیسی میں کیا نقائص تھے۔ نئی گورنمنٹ جب بھی آتی ہے اپنی ایک پالیسی لے کر آتی ہے اس طرح ہماری انتظامی مشینری کو کافی تعطل کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ پاکستان میں ایسے مواقع آئے ہیں، جتنے کمیشن بنے ہیں انہوں نے معاملے کو خراب کیا ہے، الجھایا ہے کبھی سلجھایا نہیں ہے، جتنی اچھی رپورٹیں بنی ہیں وہ الماریوں میں بند ہیں اور اس کے بعد تیسرا کمیشن بن گیا۔ اس حکومت نے بھی کمیشن بنائے میں سمجھتا ہوں کہ کمیشن کا مسئلہ ختم کریں جو مسئلہ (ہو وہ) پارلیمنٹ میں پیش کریں اس میں منتخب نمائندے ہیں۔ اس سے بڑی کیا بات ہے، وہ تمام issues ان کو دیں جو کسی بھی کمیشن کو دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح وقت بھی ضائع نہیں ہوتا۔ اور ان کی رپورٹ پر کبھی پارلیمنٹ میں بحث نہیں ہوتی۔ وہ بالا بالا آتی ہے اور shoot out ہو جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ جو اس وقت قومی مسائل ہیں ان کو پارلیمنٹ میں لائے۔ اس کے ذریعے ان پر بحث کریں۔ اس میں جو تجزیہ نکالیں چونکہ ہمارے ہاؤس میں بڑے بڑے زیرک اور ذہین سیاستدان بھی شامل ہیں۔ انکا لوگوں سے روزمرہ کا تعلق ہے، اس پر بھی حکومت کو توجہ دینی چاہیئے۔

جہاں تک صدر مملکت صاحب نے صنعتی میدان میں ترقی کے بارے میں کہا ہے۔ اس حکومت نے growth rate کا ایشیا میں ایک اچھا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ 6.5 میں سمجھتا ہوں کہ World Bank point of view سے بڑا اچھا growth

rate ہے- اب اس سیلاب کے آنے کے بعد میں سمجھتا ہوں اگر وہ برقرار رکھا جائے تو اس حکومت کا بڑا کارنامہ ہوگا-

سیلاب کے سلسلے میں بھی اس حکومت نے بڑا کام کیا ہے- بعض اوقات ایسے مسائل ہوتے ہیں جیسے اب پیلی ٹیکسی کا مسئلہ چل پڑا- حکومت کو اس میں توازن ضرور رکھنا چاہیئے- یعنی میں سمجھتا ہوں کہ بغیر توازن کے کوئی پالیسی کامیاب نہیں ہو سکتی- سیلاب میں بھی یہ ضروری تھا- کہ حکومت اس پر توجہ دیتی لیکن سیلاب میں لوگوں کو اتنا تاثر ہے کہ ضرورت سے زیادہ اس کی پبلسٹی ہوگئی اور کچھ دوسرے صوبوں میں بھی سیلاب آیا وہ رہ گئے- بعض چیزوں کو انہوں نے سب سے آگے کیا- اسی طرح سے ٹرانسپورٹ سسٹم ہے- پبلک ٹرانسپورٹ سسٹم ہے- پبلک ٹرانسپورٹ میں بسوں کا، ویگنوں کا، ٹیکسیوں کا، اس میں تمام چیزوں کا مسئلہ ہے صرف یہی نہیں ہے کہ پیلی ٹیکسیاں دے دیں- روزگار کے علاوہ یہ چاہیئے کہ ملک میں اچھی سڑکیں ہوں، اچھے لوگ خود کوشش کریں کہ اچھی بسوں میں جائیں اور اس میں بہتر یہ ہے کہ جہاں ہم اندرونی حالات دیکھیں- جن علاقوں میں بسیں چلتی ہیں، جن علاقوں میں ریلوے لائن نہیں ہے، ریلوے کو بھی meet کریں- ریلوے بھی پبلک ٹرانسپورٹ کا سسٹم ہے- ریلوے کا نظام سب سے ناکارہ ہو چکا ہے- اور میں سمجھتا ہوں کہ حکومت نے توجہ بالکل نہیں دی- جس طرح سے حکومت نے پی آئی اے میں خاصا improvement اس سال کیا ہے- ریلوے کا پبلک نظام ایسا ہو گیا ہے- اب حکومت routes کو بیچ رہی ہے- میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارا ملک ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہے، کہ ہم ریلوے کو فروخت کرنا شروع کردیں- اور یہ بھی privatization کی روح نہیں ہونی چاہیئے کہ حکومت جلدی میں ہر وہ چیز- کچھ sensitive چیزیں- یعنی انگلینڈ نے بھی 100 سال کے بعد انرجی اور الیکٹرسٹی privatize کی ہے- 100 سال کے بعد اور پاکستان میں یہ ہوا ہے کہ اب ہر چیز واپڈا کے سلسلے میں ہمارے صوبہ سرحد کے بھائی نے کہا تھا- اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے سیاسی طور پر جس نام کے بارے میں کہا تھا- اگر کوئی چیز متفقہ طور پر وہاں کے عوام چاہتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ پارلیمنٹ ہی ایک ایسا ادارہ ہے کہ جس میں تمام ہمارے صوبوں اور علاقوں کے حقوق کا یہی ایک مرکز ہے- اگر کوئی بل کے ذریعے آئے تو کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں کرنا چاہیئے- لیکن وہاں کے تمام عوام اس میں حصہ لیں- اور میں سمجھتا ہوں کہ واپڈا میں کالا باغ جیسے مسئلہ پر جن علاقوں میں خدشہ ہے جب تک وہاں کے عوام کو، وہاں کے

لوگوں کو، وہاں کے منتخب نمائندوں کو مطمئن نہ کریں کوئی ایسا منصوبہ شروع نہ کریں کیونکہ اس کے ساتھ چاروں صوبوں کا تعلق ہے۔

اب میں آتا ہوں جناب صوبائی خود مختاری پر میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ چھوٹے یونٹوں کا مسئلہ ہے۔ یہ پاکستان کے قیام سے 1973ء کے آئین سے پہلے جو انتظامی طور پر حال ہوا۔ ملک میں ایک unitary type of government تھی۔ 1973ء کے آئین کے بعد جو فیڈریشن بنااور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں تمام پارٹیز کا ساتھ دیا تھا۔ اس میں سب نے دستخط کئے۔ اور یہ ایک بڑا consensus آئین تھا۔ اور یہ ایسا حکومت کا بڑا کارنامہ تھا کہ اس پر تمام پارٹیز متفق ہوئی تھیں۔ اس کے بعد آپ دیکھئے جتنی ترامیم ہوئی ہیں جلدی جلدی ترامیم کی گئیں۔ اور اس کے آئین کے ہوتے ہوئے بھی صوبے بالکل municipalities کی طرح چلائے گئے۔ مجھے علم ہے کہ ہماری 1974ء والی حکومت کو جس طرح ختم کیا گیا۔ اب وہ لمبی بات ہے لیکن میں آج بھی محسوس کرتا ہوں کہ اس عدم توازن نے چھوٹے یونٹوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے اور سب سے زیادہ نقصان بلوچستان کو ہوا۔ میں اپنے صوبے سے اس لئے کہتا ہوں کہ فرنٹیئر اور سندھ کو وہ مواقع آئے کہ وہ اپنے حقوق لے سکتے تھے اس لئے کہ فیڈریشن میں جو اہم عہدے ہیں، جو آئینی عہدے ہیں، ان کے پاس رہے ہیں۔ لیکن بلوچستان کے پاس آج تک کوئی ایسا عہدہ کوئی ایسی نمائندگی کبھی نہیں ملی۔اور یہ کہنا غلط ہے کہ وہاں اس قسم کے لوگ نہیں تھے۔ ہمارے بلوچستان میں میرا خیال ہے سیاسی لیڈروں میں اور ٹیکنوکریٹس لوگوں میں، جنوں میں ایسے لوگوں کے نام آتے ہیں جو ایسی اہم ذمہ داریوں کے لائق سمجھے جا سکتے تھے۔ ہم recruitment نہیں۔ ہم تو representation چاہتے تھے۔

1973ء کے بعد بلوچستان کو کسی جگہ بھی کسی حکومت نے۔ جونیجو کی حکومت آئی مسلم لیگ کی 1985ء میں۔ اس وقت پہلی مرتبہ کچھ ایسی Jobs بلوچستان کو دی گئیں۔ جس طرح کوئی احسان کرتے ہیں۔ یہ ہمارے پاکستان میں کبھی ایسا مسئلہ نہیں آیا۔ لیکن اب بلوچستان کے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ آخر جب E.C.O کی میٹنگ ہوئی کوئٹہ میں تو بڑی بہتر طور پر ہوئی۔ تو لوگوں نے کہا کہ یہاں تو انٹرنیشنل کانفرنس ہو سکتی ہے۔ یہاں کے لوگ تو بڑا تعاون کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کیا آج چالیس سال تک حکمرانوں نے یہ محسوس

نہیں کیا کہ کوئٹہ کی کیا اہمیت ہے۔ صوبے کی کیا اہمیت ہے۔ وہاں کیا کیا معدنی ذخائر ہیں۔ آپ اندازہ کریں کہ ساڑھے سات سو کلومیٹر سمندر بلوچستان کا ہے۔ آج تک کوئی پورٹ بننے نہیں دی گئی۔ وہ کونسے لوگوں کی منصوبہ بندی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد ٹربیونل بنایا جائے۔ ان تمام چیزوں کا جس پر مختلف علاقے فریادیں کر رہے ہیں۔ آپ نے دو پورٹ بنائے۔ ایک قاسم پورٹ آپ نے کراچی کے قریب بنایا۔ congestion تھا ٹھیک ہے۔ آپ بتاتے ہیں قاسم پورٹ پر اعتراض نہیں تھا لیکن یہ سو میانی کے لئے بنا تھا۔ مجھے علم ہے کہ یہ سومیانی کے لئے بنا تھا۔ اس وقت بھی حکومت نے کہا اس کو سندھ میں کرتے ہیں تو اس کا پھر نعم البدل بلوچستان میں ہوتا۔ آج تک بلوچستان میں آپ کوئی پورٹ نہیں بنا سکےاور جب تک کہ اس وقت اتنی strategic پوائنٹ ہے۔ اس وقت جتنے سی آئی ملک ہیں۔ وہ آپ سے بار بار درخواست کرتے ہیں کہ سب سے shortest route ہمارا بلوچستان ہے ہماری معیشت کو بڑھانے کے لئے ہمارے پڑوسی ممالک ہیں ان کی طرف پہلے نگاہ کرنی چاہیئے۔ ہمارا ایک ہی قسم کا کلچر ہے ایک ہمارا دین ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے اسلام کو بھی زبانی استعمال کیا ہے اس لئے اسلام کے جتنے اچھے اقدار تھے آج تک حکومت نے visible نہیں کیا اور اس پر ضرور ہوا کہ منافرت پھیلائی گئی۔ ایک دوسرے کو لڑایا گیا۔

اب آپ اندازہ کریں کہ ہمارے صوبے کا جو سروس کا سٹرکچر ہے۔ فیڈرل گورنمنٹ میں ایک سیکرٹری جو اپنے میرٹ پر آیا ہے۔ ایک سیکرٹری ہے اور اگر دوسرے کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کو ایک تو دے دیا ہے۔ یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی beg کر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ہمارے تمام صوبوں اور یونٹوں کا خیال رکھا جائے اور جس کا جو حق ہے اگر یہ انصاف سے لیتے تو مشکلات نہ ہوتیں۔ ہمارے سروسز سٹرکچر میں سپریم کورٹ، ہائی کورٹ، ایسی تمام پوسٹیں ہیں۔ چیف الیکشن کمشنر پی آئی اے کو دیکھیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس حکومت نے بہت کام کرنے کے باوجود اور بعض جگہ ایسے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی صوبے سے لوگ ہیں۔ پی آئی اے کا چیئرمین،پی آئی اے میں ڈائریکٹر تک ہمارے صوبے کا نہیں ہے۔ ریلوے بورڈ یعنی اس وقت 76 کارپوریشن تھیں۔ 25 پرائیویٹائز ہوگئی ہیں۔ جو اس وقت حکومت کے زیر انتظام چل رہی ہیں ان میں کسی جگہ بھی کہیں نمائندگی نہیں ہے۔ ٹھیک ہے آپ کسی ایم پی اے اور سینیٹر کو اس لئے نہیں رکھ سکتے کہ office of profit کا معاملہ ہے

لیکن باقی لوگ تو آپ رکھ سکتے ہیں۔ یعنی وہ کون لوگ حکمران ہیں۔ کون منصوبہ بندی کے چیمپیئن بنتے ہیں اسلام آباد میں بیٹھ کر جو اپنے ملک کے علاقے نہیں جانتے۔ وہ اپنے ملک کی عزت کرنا محسوس نہیں کرتے۔ آخر ان پر بھی ذمہ داری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سیاسی استحکام کے لئے نہایت ضروری ہے۔ پاکستان کے چاروں صوبوں کے لوگ چاروں یونٹوں کے لوگ مطمئن ہوں اور اس میں سب سے زیادہ hard hit ہمارا بلوچستان ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سروس کے علاوہ جو بھی وہاں عدم توازن ہے۔ ایگریکلچر میں دیکھیں آج تک ہمارے ہاں ایک پٹ فیڈر کینال جس کو 1974ء کے جسٹس فضل اکبر کمیٹی کے تحت ہمیں ساڑھے سات ہزار کیوسک پانی دینے کا فیصلہ تھا۔ وہ ہمیں تین ہزار مل رہا ہے۔ اس لئے کہ اس کینال میںslit اتنی آئی ہے کہ اس کی widening کی ضرورت پڑی ہے۔ ساڑھے تین ہرار کیوسک پانی ہم لے رہے ہیں۔ اب جس کا چرچا ہوا ہے اس حکومت نے بڑا کام کیا کہ water accord کیا۔ لیکن اس کا اب نتیجہ کیا ہے کہ واٹر اکارڈ پر ساڑھے بارہ ہزار کیوسک تو ہم کم از کم 100 سال کے بعد لیں گے-100 سال لگیں گے۔ ابھی تک وہ کینال جس کی widening کے لئے 1978ء میں فیصلہ ہوا تھا اب تک 1993ء نہیں شروع نہیں ہو سکا۔ اب یہ بتائیے اس قسم کے بڑے منصوبے جو بلوچستان کی life line ہے۔ یعنی اگر آج ہمارے پٹ فیڈر کو ایک نئی کینال بنا دیں تو پاکستان کا تمام غلہ اور تمام سبزیاں، تمام اجناس صرف بلوچستان پورا کر سکتا ہے۔

یہی ہمارے orchards کا حال ہے۔ لوگوں نے اپنے طور ساری زمینیں بنائی ہیں۔ کاریزوں کو ٹھیک کیا ہے۔ حکومت کا کوئی ایسا کریش پروگرام نہیں ہے کہ حکومت نے 500 ٹیوب ویل ہی لگا دیئے ہوتے۔ پھر لوگوں نے قرضے لے کر لگائے ہیں۔ بجلی کا یہ حال ہے انجن ڈیزل سے چلائے جاتے ہیں جو کسی صورت میں کوئی کاشتکار پورا نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ زرعی پالیسی میں کاشتکاروں کے آج تک growing ریٹس اتنے کم ہیں کہ کاشتکاروں کی کبھی عزت نہیں ہوئی۔ جو لوگ پاکستان میں کاشتکار ہیں، جس علاقے میں بھی ہیں، ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ اور ہمیشہ ایک طبقہ جو تاجروں کا رہا ہے، وہ اسی زرعی ٹیکس کے نام پر، حالانکہ ایک کسان اتنے زرعی ٹیکس دے دیتا ہے۔ (indirect) وہ اس ٹیکس سے بہت زیادہ بنتا ہے جو اس کو کہا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ زرعی پالیسی میں بھی اس وقت میں نے پچھلی مرتبہ بھی بتایا تھا کہ ایک کمیشن بنا تھا سرتاج عزیز صاحب کا یعنی وہ خود ایک ماہر اقتصادیات ہیں اور اس زمانے میں زرعی کمیشن کے سربراہ تھے۔

جس میں عوامی نمائندے تھے اور چاروں صوبوں کا دورہ کر کے آئے تھے۔ اس رپورٹ پر عمل درآمد نہ ہوا۔ اس میں کوئی نہ کوئی فرق نکل آیا۔ تو اس لئے جہاں تک زرعی پالیسی کا تعلق ہے وہ مجموعی طور پر اور صوبے کے طور پر ہمیں بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ میں حکومت سے ضرور درخواست کرونگا کہ پٹ فیڈر کینال کے سلسلے میں ابھی چھ ماہ ہوگئے ہیں۔ کنٹریکٹ ایوارڈ نہیں ہو سکا۔

جہاں تک تعلق ہے خواتین کی نمائندگی کا۔ خواتین کے سلسلے میں جناب بات یہ ہے کہ جب یہ پچھلی حکومت تھی۔ مجھے افسوس ہے کہنے کے لئے کیونکہ میں اس میں کوئی bitterness نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ خود وزیر اعظم تھیں، ان کے سامنے ان کے وقت میں یہ بل آیا تھا۔ اگر یہ بل اس وقت ختم ہوا تھا تو ان کو چاہیئے تھا کہ وہ باقاعدہ آئی جے آئی کے ساتھ طے کر کے کیونکہ اس پر ہمارا اور اپوزیشن یا کسی بھی پارٹی میں کوئی اختلاف نہیں تھا وہ خواتین کی seats اس وقت بحال نہیں کر سکیں اور انہوں نے پتہ نہیں کسی مصلحت کے تحت وہ، ایک عورت ہونے کے ناطے سے بھی ان پر فرض تھا۔

جناب چیئرمین: اب فصیح صاحب ذرا wind up کریں۔

سید فصیح اقبال: جی میں ابھی تو اس کو ابھی تو دس منٹ اور - ابتدا ہے۔ تو خواتین کی وہ سیٹیں جناب نہیں دی گئیں۔ اب یہ بہرحال آئی جے آئی کے منشور میں بھی تھا لیکن ہماری گورنمنٹ نے بھی پتہ نہیں کس مصلحت سے، ہماری پارٹی میٹنگ میں بھی فیصلہ ہوا، بارہا اس ہاؤس میں ہمارے وزیر قانون، پارلیمانی امور اور وومن ڈویلپمنٹ کے منسٹروں نے announce کیا، پرائم منسٹر صاحب نے بھی کہا کہ ہم ان کی سیٹیں بحال کریں گے مگر اب تک وومن سیٹیں بحال نہیں ہوئیں اور مجھے افسوس ہے کہ 52 پرسنٹ آبادی کے اس حصے کو اس طرح نظر انداز کرنا جبکہ یہ آپ کے پاکستان کا سب سے بڑا ووٹ بینک بھی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ حکومت کو اس طور پر ایک پالیسی۔ لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ حکومت جو محسوس کرتی ہے وہ کرتی نہیں ہے۔ اس قسم کا تاثر اگر ہو جائے تو آپ سمجھتے ہیں کہ بے یقینی کی صورت پیدا ہوتی ہے تو اس پر حکومت اپنے طور پر ، فوری طور پر اس پر فیصلہ کرے اور میں لیڈر آف دی ہاؤس کو توجہ دلاؤں گا کہ انہوں نے ہی یہ بل پیش کیا تھا پرائیویٹ ممبرز ڈے کو۔ میں

بھی شامل تھا، ڈاکٹر نورجہاں صاحبہ تھیں، لیکن وہ بل اپنے طور پر lapse ہوگیا اور یہ کہا گیا کہ اب واپس لیں، حکومت خود ایک بل لے گی۔ تو میں سمجھتا ہوں یہ فوری طور پر خواتین کی نمائندگی کے لئے جو ان کی سیٹس ہیں اس سلسلے میں سرکاری بل ہو یا پرائیویٹ ممبر فوری طور پر منظور کیا جائے تاکہ ان کی نمائندگی ہو اور ملک کا ایک بہت بڑا طبقہ جو نمائندگی سے محروم ہے ان کو یہ حق دیا جائے۔

جہاں تک تعلق ہے یہ صوبے کی انڈسٹریل ترقی کے سلسلے میں۔ میں عرض کروں کہ پاکستان کے قیام کے بعد ہمارا سب سے زیادہ نزدیک ضلع حب ہے۔ صوبے کا محل وقوع ایسا ہے کہ بڑی advantageous location ہے سندھ سے، فرنٹیئر سے، ہمارے سرحدات ہیں افغانستان اور ایران سے۔ کراچی سے لسبیلہ ہے اگر آپ وہاں پر انڈسٹریل اسٹیٹ دیکھیں وہ تمام جو ہمیں مراعات دی گئی تھیں، حب انڈسٹریل اسٹیٹ کو، گو کہ وہ کہتے ہیں کہ اس میں کراچی کے لوگوں کو فائدہ ہے۔ اگر کراچی بھی تو پاکستان کا حصہ ہے، سندھ کا حصہ یعنی یہ بات میرا خیال ہے یہ توجیح اکنامسٹ اور فنانس کی طرف سے آئے کہ صاحب سب سے زیادہ کراچی کے تاجروں کو فائدہ ہے تو کراچی کے تاجر تو چونیاں میں بھی گئے ہیں، کراچی کے تاجر تو حطار میں بھی ہیں، کراچی کے تاجر تو گدون میں بھی بیٹھے ہیں، آپ ان کو وہاں روکیں۔ آپ صرف لسبیلہ کو کیوں رورل انڈسٹریل پیکج سے ہٹا رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ فیصلے کرتے ہیں ان کو اپنے ملک کے کسی علاقے کا علم نہیں ہے۔ اگر آپ کہیں مکران میں انڈسٹری لگائیں، وہاں آپ نے infrastructure کیا دیا ہے؟ بجلی نہیں ہے، سڑک نہیں ہے، کوئی اور پانی کا انتظام نہیں ہے، کون انڈسٹری لگائے گا؟ انڈسٹری وہیں لگتی ہے جہاں پر سرمایہ محفوظ ہو اور دوسری چیز یہ ہے انفراسٹرکچر ہو۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ بلوچستان اس وقت پاکستان کا سب پرامن علاقہ ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود بھی جتنی خامیاں ہیں لیکن فیڈریشن کا جتنا احترام بلوچستان میں کیا جاتا ہے آج تک اس مسئلے پر کبھی بلوچستان اسمبلی نے وہ تلخ رویہ نہیں اختیار کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے لیے حکومت سے باضابطہ اس فورم پر بات کریں۔ سی سی آئی میں بات کریں نیشنل فنانس ایوارڈ میں بات کریں جو بلوچستان کو 45 سال سے ایک خاص پالیسی کے تحت، میں سمجھتا ہوں پالیسیز چونکہ بناتے رہے ہیں ہمارے وہ لوگ جو کبھی اس علاقے میں نہیں گئے۔ پہلے اسلام آباد سے بنتی تھیں، کراچی سے بنتی تھیں۔ میں نے اس لئے کہا ہے بلوچستان کے سلسلے میں اب تک

اور جب ہم مانگتے ہیں کبھی اپنی نمائندگی ہمارے کانجو صاحب نہیں ہیں، سفارت میں تو کہتے ہیں ایک تو آپ کو دے دیا یعنی احسان کیا ہے اور عجیب چیز یہ ہے کہ جو پاکستان سے ایک میرٹ پر آیا ہو جمشید مارکر صاحب ہیں اب بار بار اس کا نام لیتے ہیں۔ ارے وہ تو جناب ایوب خان صاحب نے اس لئے دیا کہ اچھی کرکٹ کی کمنٹری کرتے تھے، بڑے قابل آدمی ہیں، بڑے ذہین ہیں لیکن اس کا اس سے کیا تعلق؟ لیکن اس کے ڈومیسائل کو استعمال کرنے کے لئے کہ صاحب وہ تو بلوچستان سے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ فوری جو حق تلفی ہے بلوچستان سے وہ دور کی جائے اور ہمارا سروس میں عدم توازن پورا ہو اور جتنے قومی ادارے ہیں، اس وقت جو آئینی ادارے ہیں اور بڑے important ہیں اس میں بلوچستان کو مناسب حصہ ملے اور بلکہ ہمارے بڑے بھائی پنجاب جو ہے، پنجاب کو سوچنا چاہیئے کہ بلوچستان آپ کے لئے، جتنا تینوں یونٹوں کے لئے بلوچستان کار آمد ثابت ہو اس نے کبھی کسی فورم میں یہ نہیں کہا کہ ہمارا صدر ہو جائے، ہمارا پرائم منسٹر ہو جائے، جس میں وائس پریذیڈنٹ بھی ہو اس لئے کہ پاکستان کو آپ نے چلانا ہے، تمام لوگوں کو خوش کرنا ہے تو ایسی آپ دیں کہ اس میں دوسرے یونٹ بھی شامل ہوں۔ ہمارے ممبرز ہیں، 13 ممبرز ہیں نیشنل اسمبلی میں، ہماری سینٹ میں برابری ہے۔ اب سینیٹ کے پاس وہ کیا power ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ضروری ہو گیا ہے کہ کوئی ترمیم آئے جس میں سینٹ کو وہ پاورز دیئے جائیں، اس میں فنانس کی پاور دی جائے کیونکہ جو یونٹوں کے حقوق ہیں اس کی نمائندگی سینٹ کے ممبران کرتے ہیں اور پریذیڈنٹ کے الیکشن میں ہم ووٹر ہیں، پرائم منسٹر کو تو ہم ووٹ نہیں دیتے لہٰذا ہمیں اس طرح سے brief کیا جائے کہ انتظامیہ اور فیڈریشن کے پاس جو علامت ہے ہم اس میں پوری طرح اپنا رول ادا کرسکیں۔ ہم صرف یہاں تقریریں کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت اس پر عمل کرے اور سینٹ کے سلسلے میں عرض کرتا ہوں جتنی ہماری رپورٹیں رہی ہیں، کمیٹیوں کی رپورٹیں رہی ہیں، آج تک حکومت نے کوئی توجہ نہیں دی اور یہ بیٹھے ہیں ہمارے وزیر قانون صاحب۔ میں ان کی توجہ دلاؤں گا کہ جو یہاں سے رپورٹیں بنتی ہیں، جو چیزیں یہاں متفقہ طور پر قرار دادیں ہیں----

جناب چیئرمین: وائنڈ اپ کریں فصیح صاحب۔

سید فصیح اقبال: وہ بھی حکومت پر فرض ہے کہ آپ اس کا نوٹس لیں، اس کا جواب دیں ہاؤس میں یہ ہوا ہے کہ جو چیزیں بھی آئی ہیں عوام کے لئے اس میں اپوزیشن اور اس کا کوئی تفاوت نہیں رہا لیکن جو بھی رپورٹیں، متفقہ طور پر یہاں سے قراردادیں پاس ہوئی ہیں، رپورٹیں بنی ہیں آج تک حکومت نے اس چیز کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور میں یہ سمجھتا ہوں یہ حکومت کو بھی اپنے رویے میں تبدیلی کرنی چاہیئے۔ جمہوری حکومت ہے اگر جمہوری حکومت ہے تو آپ کو یہ اسی ایوان سے آپ کی طاقت ہے۔ آپ لوگ جو کچھ ہیں وہ اس ایوان سے ہیں۔ وزیراعظم بھی پہلے ایوان کا ممبر ہے پھر وزیر اعظم ہے۔ لیکن ہمیں بڑا افسوس یہ ہے کہ کئی قسم کی حکومتیں آ جاتی ہیں کہ جناب پراونشیل گورنمنٹ، فیڈرل گورنمنٹ اور ایک اور خفیہ گورنمنٹ ہوتی ہے جو قرب و جوار میں خوشامدیوں کی ہوتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم لوگ سچ بولیں اورانشاء اللہ کورٹ، میں جو کچھ معاملہ آیا ہے اس سے کوئی ایسی چیزیں نکلیں گی لیکن زبان، جو کچھ اخباروں میں چھپی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہر ادارے کو اپنے وقار کا خود خیال رکھنا چاہیئے۔ ہمارے سینٹ نے اور اسمبلی نے، اور میں سمجھتا ہوں میں اپنی سینٹ کی بات کروں گا کہ یہاں بحث کا معیار، یہاں نیشنل ایشوز کا معیار اس آئین کے تقدس اور اس کے وقار کے مطابق رہا ہے۔ ہمیشہ سینٹ میں ایسی چیزیں، قومی چیزیں آئی ہیں جس پہ بے لاگ تبصرہ ہوا ہے لیکن جو چیزیں آئی ہیں حکومت نے کیوں اس پر توجہ نہیں دی۔

میں آخر میں بتانا چاہتا ہوں کہ جہاں تک صدر کا معاملہ ہے، صدر ہمارے مدبر، ذہین اور ان کے کردار نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ایک غیر متنازعہ شخصیت ہیں اور یہ اب ان پارٹیوں کا تعلق ہے جس پارٹی میں بھی ہوں کہ جو بھی فیصلہ ہو گا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کو ہم تنازعہ نہ بنائیں اور اس لئے کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ سسٹم چلے اور یہ سسٹم کا مسئلہ یہ ہے کہ خدانخواستہ کوئی third option یا fourth option یا fifth option یہ اس قسم کی خبریں جو ہیں اس سے ملک کے استحکام کو نقصان پہنچتا ہے اور بے یقینی کی حالت پیدا ہوتی ہے تو میرا خیال ہے کہ اس کو ہمارے جو بزرگ سیاستدان ہیں اور بھی اس کو فیصلہ کریں اس لئے کہ اس مسئلے کا theme یہ ہے کہ ہمیں جمہوری اداروں کو مستحکم کرنا ہے، ہمیں پارلیمنٹ کی بالادستی قائم کرنی ہے۔

جناب چیئرمین: شکریہ جی بہت مہربانی جی۔

سید عبداللہ شاہ : مسٹر چیئرمین سر!

جناب چیئرمین: جی جی۔

سید عبداللہ شاہ: فصیح اقبال صاحب نے ایک بڑی نئی بات بتائی کہ ایک خوشامدی گورنمنٹ بھی ہے اپنے ملک میں....... تو میں اس کے اراکین کے نام پوچھنا چاہ رہا ہوں۔

سید فصیح اقبال: یہ جناب عبداللہ شاہ صاحب بہت جانتے ہیں میں اس لئے نہیں بتانا چاہتا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ کون لوگ.......

سید عبداللہ شاہ : میں زور سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے نہیں پتہ ہے۔

سید فصیح اقبال: ہر حکومت کے گرد رہتے ہیں۔ آپ کی حکومت میں بھی ایک ہالا تھا، وہ کن لوگوں کا ہالا تھا آپ ان کو جانتے ہیں۔

جناب چیئرمین: انہوں نے کہا نا کہ وہ خفیہ ہوتی ہے۔ thank you جی فصیح صاحب۔

سید فصیح اقبال: میں سمجھتا ہوں کہ جی.......نہیں نہیں وہ تو ہر حکومت میں ہوتے ہیں اس لئے ہیں، اس لئے کہہ رہا ہوں......

جناب چیئرمین : جی فرمائیے۔

سید فصیح اقبال: جناب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس کی بالادستی کے لئے کوشش کی جائے اور یہ سسٹم جمہوری ہے۔ میری ذاتی رائے کیا سارے ممبروں کی ہے کہ ملک میں جمہوریت کو استحکام ہو اور یہاں پر جو بھی فیصلے ہوں

وہ عوام کے جذبات کی ترجمانی ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا کوئی تنازعہ نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا مسئلہ ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے ان اداروں کو مستحکم کرو تاکہ پارلیمنٹ کی بالادستی ہو اور اپنے وزراء سے بھی میں کہتا ہوں کہ آپ بھی جو اپنے پالیسی بیان دیں وہ اسی اسمبلی میں دیا کریں بجائے اس کے یہی چیزیں آپ دوسروں سیٹروں میں، اپنی میٹنگوں میں دیتے ہیں، اس کی نفی ہوتی ہے اور یہ سیاسی کلچر کا یہی مسئلہ ہے کہ ہم سیاسی معاملے میں اپنے ملک.......

جناب چیئرمین: شکریہ جناب۔

سید فصیح اقبال: میں اپنے ملک کے جو مسائل ہیں ان کو حل کریں۔ شکریہ!

جناب چیئرمین: شکریہ جی بڑی مہربانی، جی جناب فخر امام صاحب۔ فخر امام صاحب یہ ایجوکیشن پالیسی lay کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اجازت دیں گے کہ lay کر دیں، ٹھیک ہے جی lay کر دیں جناب۔

Syed Fakhar Imam: Mr. Chairman Sir, with your permission I would like to lay down the Education Policy.

Mr. Chairmn: Thank you. The Education Policy stands laid.

ایجوکیشن پالیسی تقسیم کردیں۔ next جی جناب اعجاز جتوئی صاحب اس کے بعد آپ کی باری آئے گی اس کے بعد خواجہ آصف صاحب کی۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی: جناب چیئرمین۔

جناب چیئرمین: جی آپ کا بھی لکھا ہوا، جی باری باری سب انشاء اللہ آج کرتے ہیں۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی: ہم اس august House میں پریذیڈنشل ایڈریس جو آرٹیکل 56 کے تحت جناب صدر ہر پارلیمانی سال کے شروع ہونے سے پہلے خطاب فرماتے ہیں basically یہ گورنمنٹ کی پالیسی سٹیٹمنٹ ہوتی ہے جو گورنمنٹ تیار کرتی ہے۔ صدر صاحب کے ہاں پیش ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ تھوڑی سی changes کرنے کے ساتھ ساتھ وہ سپیچ پارلیمنٹ کے سامنے آ کر کرتے ہیں۔ اور ہمیں پورے سال کی کارکردگی جو گورنمنٹ کی ہوتی ہے اس کے اوپر ڈسکس کرنے کا موقع ملتا ہے۔

جناب چیئرمین! آج صورتحال ہمارے سامنے ہے پولیٹیکل اور اکنامیکل سچوایشن، فارن پالیسی اور لاء اینڈ آرڈر سچوایشن یہ ایسے اہم موضوعات ہیں کہ جن پر ہمیں کھل کر ایماندارانہ طریقے سے اپنی رائے رکھنی چاہیئے regardless of party affiliation میں سمجھتا ہوں کہ اگر گورنمنٹ نے کوئی اچھا کام کیا ہے تو اس کو ویلکم کرنا چاہیئے appreciate کرنا چاہیئے اور اگر کوئی گورنمنٹ نے برا کام کیا ہے یا کرپشن کی ہے اس کو condemn کرنا چاہیئے۔

جناب چیئرمین ہماری پارٹی کا یہ مسلسل موقف رہا ہے کہ یہ ایک multinational state ہے جہاں پر مختلف قومیتیں اپنے اپنے تاریخی حقوق رکھتی ہیں اور وہ اپنی تاریخی زمینوں پر آباد ہیں۔ بدقسمتی کے ساتھ ان قوموں کے ساتھ آج تک 45 سال گزرنے کے باوجود کوئی انصاف نہیں ہوا۔ اور اس سے پہلے کہ اپنی تقریر شروع کروں میں معذرت چاہتا ہوں آپ کے توسط سے، میری یہ کوشش نہیں ہوگی کہ کسی کی دل آزاری کروں لیکن میں معذرت چاہتا ہوں اگر کسی کی دل آزاری ہو۔ آج پاکستان کی صورت حال جو ہے جناب چیئرمین ! administratively اور politically دونوں صورتوں میں آپ دیکھیں گے کہ یہ ملک اسوقت دو حصوں میں تقریباً بٹا ہوا ہے۔ ایک حصہ نارتھ میں بٹا ہوا ہے اور ایک حصہ ساؤتھ میں بٹا ہوا ہے۔ نارتھ میں صوبہ پنجاب جو کسی نہ کسی طرح سے پچھلے پینتالیس سال سے اس ملک کی establishment میں، سول بیوروکریسی میں اور پولیٹیکلی اپنی میجارٹی کے تحت رول کر رہا ہے اور اس میں پختون خواہ بھی کافی لیٹ جا کر اس کا حصہ دار بن چکا ہے۔ جناب چیئرمین administratively ! آپ دیکھیں گے کہ آج ساؤتھ جس میں سندھ، بلوچستان اور سرائیکی بیلٹ جو تین قوموں کا ہسٹاریکل بیلٹ ہے وہ رول ہو رہا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ ہمارے یہاں پر حکومتیں مسلسل establishment کے ذریعے سے اور اسلام آباد کے حکم کے تحت بدلتی ہیں۔ میں اس سے بھی بڑھ کر جناب چیئرمین! یہ بات کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس ملک میں وزیراعظم مختلف صوبوں سے یہاں پر آئے ہیں لیکن یہاں پر آپ دیکھیں گے کہ پچھلے باقی کو تو آپ چھوڑ دیں recent events لے لیتے ہیں۔ پچھلے دور میں جب 18 مہینے پیپلز پارٹی کی گورنمنٹ تھی اسوقت آج کے موجودہ وزیراعظم نواز شریف صاحب جو وزیراعلیٰ پنجاب تھے اس وقت میں صرف یہ prove کرنا چاہتا ہوں کہ ہم رول ہو رہے ہیں۔ جو وزیراعلیٰ پنجاب تھے اس وزیر اعلیٰ پنجاب نے revolt کیا فیڈرل گورنمنٹ کے خلاف۔ کھلی طرح سے انہوں نے کہا کہ میں چیف سیکرٹری آپ کا قبول نہیں کروں گا۔ آپ کا آئی جی قبول نہیں کروں گا۔ یعنی فیڈرل گورنمنٹ کا۔ پنجاب بنک کی بات کی گئی۔ پنجاب ٹی وی کی بات کی گئی۔ اور پتہ نہیں کیا کیا باتیں کی گئیں۔ وہ کھلی طرح سے revolt تھا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ رونما ہوا جب 1973 میں نیپ کی گورنمنٹ تھی دو صوبوں میں۔ اسوقت آپ نے دیکھا کہ اسوقت کی بلوچستان کی حکومت، مرحوم میر غوث بخش بزنجو گورنر تھے۔ جن کے سردار عطاء اللہ مینگل چیف منسٹر تھے اور مری نواب خیر بخش مری تھے۔ اس وقت اس گورنمنٹ نے اپنے حقوق مانگے 1940ء کے ریزولیوشن کے تحت۔ اس حکومت کو ڈسمس کرکے محترم جتنے وزیراعلیٰ اور گورنر اور جناب خان عبدالولی اور باقی نیپ کے جو حضرات تھے، فرنٹیر سے ان کو غداری کے مقدمے میں ملوث کیا گیا۔ اب یہ کیا تھا کہ وہ اپنے حقوق مانگ رہے تھے۔ اور آج جناب چیئرمین تاریخ اس کی گواہ ہے کہ 15 سال کی جلاوطنی گزارنے کے بعد نواب خیر بخش مری اور عطاءاللہ مینگل اس ملک میں لوٹے ہیں۔ یہ ان کا قصور تھا revoltکرنے کا ایک فیڈرل گورنمنٹ کے خلاف۔ جب کہ معذرت کے ساتھ پنجابی وزیراعظم کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوا۔ پنجابی وزیراعظم کو پروموٹ کیا گیا۔ وزیراعلیٰ کو پروموٹ کیا گیا۔

سید احسان علی شاہ: پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب عطاءاللہ مینگل اورخیر بخش مری صاحب اپنی مرضی سے باہر گئے تھے اور انہیں زبردستی کسی نے باہر نہیں بھیجا تھا۔

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے لیکن آپ یہ نوٹ کر لیں۔ آپ کی جب باری آئے گی تو پھر آپ بھی اپنی جو بات کرنا چاہیں کریں۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی: تاریخ کبھی کبھی اس جنکچر پر بھی آتی ہےاور اپنے آپ کو ریپیٹ بھی کرتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ جھوٹ بولنے سے ہسٹری ڈسٹرب نہیں ہوتی ہے۔ اس وزیراعلیٰ کو جس وزیراعلیٰ نے revolt کیا فیڈرل گورنمنٹ کو پنجاب سے اس کو تو ترقی دی گئی اور اس کو وزیراعظم بنایا گیا۔ جبکہ باقی جگھوں پر خاص کر ساؤتھ کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوا ہے۔

جناب چیئرمین! میں سمجھتا ہوں کہ جس دوراہے پر ہم آج کھڑے ہیں اس میں ضروری ہے کہ ہم اپنی تاریخ سے سبق حاصل کریں اور آئندہ کے لئے اپنے آپ کو اکیسویں صدی میں جانے کے لئے اس کے اہل بنائیں ۔

(اس موقع پر کرسئ صدارت جناب چیئرمین صاحب نے خالی کی اور جناب میر عبدالجبار نے کرسئ صدارت سنبھالی)

جناب اعجاز علی خان جتوئی: جناب چیئرمین! اگر موجودہ نظام آج تو میں سمجھتا ہوں کہ جناب صدر نے بھی کم از کم ایک جگہ پر electoral process کے لئے تو بات کر لی ہے کہ electoral process میں یہاں پر بڑے بڑے لوگ آتے ہیں۔ Electoral process کو simple بنایا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک کا مجموعی طرح سے سیاسی اور ایڈمنسٹریٹو ڈھانچہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ جی کوئی بات نہیں ہم اسی ڈھانچے کو ، اس فرسودہ نظام کو، اس نوآبادیاتی نظام کو continue کریں گے اور بندوق کے بل بوتے پر پھر اکٹھے نہیں رکھ سکیں گے۔ اگر آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا، اگر آپ نے دوہرا معیار جاری رکھا، اگر آپ نے اسی قسم کی حرکتیں کیں ----- عجیب تماشا ہے جناب چیئرمین! عجیب تماشا ہے کہ یہاں پر industrialisation ہوتی ہے وہ بھی سنٹرل پنجاب باقی ملک میں اگر غلطی سے کہیں گدون امازئی یا غلطی سے سندھ سے نوری آباد اور باقی انڈسٹریل اسٹیٹس میں چند انڈسٹریز لگی تھیں تو ان کو بھی تو جناب چیئرمین کسی نہ کسی طرح سے پالیسیز بنا کے اس طرح hit کیا گیا کہ وہ

انڈسٹریز practically بند ہو چکی ہیں یا وہاں سے شفٹ ہو رہی ہیں اور سنٹرل پنجاب میں massive industrialization ہو رہی ہے۔ میں against نہیں جاتا ہوں اس کے، لیکن جناب یہ اتنا imbalance جب ہوتا ہے۔

جناب چیئرمین! آپ کے توسط سے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر آج جس طرح کی صورتحال ہے، جس طرح کی آج بنک کی صورتحال ہے، اگر انڈسٹریل پروجیکٹ آپ سندھ سے لائیں، بلوچستان سے لائیں، سرائیکی بیلٹ میں ایک بھی انڈسٹری نہیں چل رہی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں یہ clear یعنی یہ ثابت کر دیا ہے اس بات نے کہ نارتھ کے رول کو کہ آپ دیکھیں کہ سنٹرل پنجاب میں، فیصل آباد سے onward جس طرح کہ شیخوپورہ اور باقی جگہوں پر انڈسٹریلائزیشن ہو رہی ہے، جب کہ بہاولپور ڈویژن، ملتان ڈویژن، ڈیرہ غازی خان میں مجھے بتائیں کتنی انڈسٹری لگی ہے؟ ڈویلپمنٹ کے فیز کو دیکھیں، کتنی ڈویلپمنٹ ہوئی ہے؟ اگر وہاں سے، اس خطے سے کوئی درخواست آتی ہے تو جناب چیئرمین ! بنک کہتے ہیں کہ بورڈ کی میٹنگ میں اس پر ہم غور کریں گے جبکہ سنٹرل پنجاب سے اگر انڈسٹریلائزیشن کی کوئی ایپلیکیشن آتی ہے انڈسٹری کی، تو وہاں پر اس صوبہ کا بورڈ، جو پراونشل ہیڈ کوارٹر ہے بورڈ in anticipation of meeting اس کی ایل سی 15 ، 20 کروڑ روپے کھلوا دیتا ہے۔ اور وہ ایل سی کھلنے کے بعد آپ مجھے بتائیں کہ وہ بورڈ اپنا فیصلہ کیا دے گا؟ کیا وہ یہ کہے گا کہ جی نہیں ہم نے 20 کروڑ تو آپ کو دیئے، 15 کروڑ تو آپ کو دیئے لیکن ہم مزید آپ کو نہیں دے سکتے؟ مجبور ہو جاتے ہیں یہ tricky قسم کا کھیل کھیلا جا رہا ہے ہمارے ساتھ۔

پھر جناب چیئرمین! اگر فیڈرل سروس کا موازنہ کر دیں، جو کوٹہ صوبوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کا ذرا موازنہ کر دیں، اگلے دن یہ یہاں سوال ہوا تھا اس کے جواب میں آپ نے ریشو دیکھ لیا تھا بلوچستان کا۔ سندھ اربن اور رورل کی بات تو بڑی سیدھی سی ہے۔ اگر ہم کسی مغالطے میں نہیں ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ابھی تک محکوم ہیں۔ انگریز کے جانے کے بعد یہاں کچھ اور انگریز آ کر ہم پر حکمران ہوئے ہیں۔ نہ ہمارے ووٹ کا کوئی تقدس ہے نہ ہماری حکومتیں ہماری مرضی کے مطابق بنتی ہیں۔ اگر ایک unpopular گورنمنٹ، جام صادق علی صاحب مرتے ہیں، خدا کو پیارے ہوتے ہیں تو دوسری طرف پھر جناب مظفر حسین شاہ، وہ بھی فیڈرل گورنمنٹ سے تحفے کے طور پر ہمیں ملتے ہیں۔ اگر

ایک ڈکٹیٹر، جنرل ضیاء الحق صاحب کسی خدا کی مہربانی سے ہوائی حادثے میں ہماری جان چھوڑتے ہیں، کیونکہ وہ جب ہم پر مسلط تھے 11 سال تک تو انہوں نے دو قسم کے یہاں پر عہدے سنبھالے ہوئے تھے ایک صدر پاکستان کا اور ایک چیف آف آرمی سٹاف کا، ایک وردی ایک آدمی کو جاتی ہے، شیروانی دوسرے آدمی کو جاتی ہے۔ دونوں اسی legacy کو continue کرتے ہیں۔

جناب صدر آپ بڑے لمبے process سے چل کر آئے ہیں۔ مجھے تو کوئی ایسی ڈویژن یا کوئی ایسا ادارہ یاد نہیں کہ جس کے آپ سربراہ یا آپ نے کام نہ کیا ہو، اتنے بڑے experience کے بعد آپ نے جو speech ہمارے سامنے رکھی اس کو ذرا پڑھ لیں جناب چیئرمین! تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جو حقائق ہیں اس سے بالکل برعکس ہیں۔ کون سی چیز بچی ہے؟ عدالت میں کیس موجود ہے، عدالت اس کی پہلے سے سماعت کر رہی ہے۔ اگر میں بولوں گا تو شاید مناسب نہیں لیکن چیف آف دی آرمی سٹاف ایک چیف جسٹس کو کہتے ہیں کہ آپ یہ فیصلہ نہ دیں۔ میں صرف حالات کے حساب سے کہتا ہوں۔ آج فوج کہتی ہے کہ جی ہمیں کوئی پولیٹیکل سسٹم سے واسطہ نہیں۔ موجودہ وزیراعظم کی مثال لے لیں جناب آپ جو وزیراعظم بنے تو میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے وزرائے اعظم سے آپ کا وزیراعظم بننا مختلف تھا۔ سب سے پہلے تو آپ کے یہاں چاروں صوبائی حکومتیں آپ کی تھیں، بنی اور جس rigged poll کے تحت آئی ہیں آپ نے اتنی majority لائی تھی ہاؤس میں، نیشنل اسمبلی میں کہ وہاں پر آپ کی اچھی خاصی comfortable majority ہے۔

پھر جناب صدر نے تعریف کی ہے کہ ملک یہ economically بہتر ہو رہا ہے۔ جناب صدر نے تعریف کی ہے کہ پرائیوٹائزیشن کا عمل بہتر ہے۔ جناب چیئرمین! اگر دیکھیں کہ پرائیوٹائزیشن کی جو صورت حال ہے وہ کسی طرح سے بھی مارکیٹ اکانومی کی طرف جا رہے ہیں۔ جو پرنسپل مارکیٹ اکانومی کے لئے بنائے جاتے ہیں اس کی طرف جا رہے ہیں۔ یا چند خاندانوں کی اکانومی کی طرف جا رہے ہیں ہم۔ یہ اس طرح سے بنک پرائیوٹائز کئے گئے ہیں جس طرح سیمنٹ انڈسٹری پرائیوٹائز کی گئی ہے۔ سیمنٹ انڈسٹری کی پرائیوٹائزیشن کے بعد جو ریٹس بڑھے ہیں سیمنٹ کے، گھی انڈسٹری کی پرائیوٹائزیشن کے بعد جو ریٹس بڑھے ہیں گھی کے، بنک پرائیوٹائز جس طرح سے من پسند لوگوں کو دی گئی ہیں پبلک سیکٹر کی۔ اس کے بعد آپ

یہ کہہ دیں کہ جی کس حکومت کی پرائیوٹائزیشن پالیسی ٹھیک تھی۔

جناب آئی جے آئی کی صورتحال دیکھ لیں آج جناب چیئرمین! ۱۹۹۰ء میں جو آئی جے آئی عوام سے مینڈیٹ لے کے آئی تھی وہ آئی جے آئی آج موجود نہیں۔ آپ اگر اچھی طرح سے موازنہ کریں۔ جناب صدر آپ ذرا دیکھ لیں اچھی طرح سے، ماشاء اللہ آپ ویسے توکافی ہوشیار ہیں دوسرے ٹرم کے لئے آپ الیکشن لڑنے کے لئے ابھی تو، اعلان نہیں کیا لیکن لگتا یوں ہے کہ شاید آپ لڑیں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کا حق ہے، آپ لڑیں لیکن باقی امیدواروں کا بھی حق ہے کہ وہ بھی لڑیں۔ لیکن جناب چیئرمین! جو آئی جے آئی اس وقت تھی، جن جن پارٹیز پر وہ مشتمل تھی کیا آج وہ پارٹیز ان کے ساتھ ہیں؟ این پی پی چھوڑ چکی اس کو expell کیا گیا، جناب مرتضیٰ پویا کو نکال دیا گیا۔ جناب ایم کیو ایم جس کے لئے اسی فلور پر میں نے کہا تھا کہ جناب یہ پولیٹیکل آرگنائزیشن نہیں ہے، ایک دہشت گرد آرگنائزیشن ہے جس کو وقت اور حالات نے آ کر ثابت کیا کہ وہ اپنے ہی لوگوں کے خلاف جس طرح سے ٹارچر سیل چلا رہے تھے۔ آج یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں آج یہ وہاں پر terrorists courts جس طرح سے بیٹھ کر اور باقاعدہ الزامات رکھ رہی ہیں وہ آج موجود نہیں ہیں ان میں۔ اس کے علاوہ جناب آپ دیکھیں گے کہ جس الائنس کو as allowance عوام نے، میں تو کہتا ہوں کہ وہ بوگس اسمبلیز ہیں۔ rigged polls کے ذریعے وہ یہاں آئے ہیں لیکن اسی rigged polls کو ہم ایک منٹ کے لئے presume کر لیں کہ ٹھیک ہیں۔ تو بھی مینڈیٹ، جناب چیئرمین ٹوٹ چکا ہے۔ صدر صاحب کی 22 دسمبر والی تقریر جو ہے وہ کسی نہ کسی طرح سے آپ دیکھ لیں، تقریباً اس حکومت کا مڈٹرم complete ہو چکا ہوا ہے۔ اور کسی بھی حکومت کے لئے پہلے دو سال وعدے پورے کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ وہ کوشش کرتی ہے کہ الیکشن میں جو وعدے کئے تھے پورے کرے۔ خواہ یہ ایک پولیٹیکل پارٹی نے کئے ہوں یا الائنس نے کئے ہوں۔ اگر ایک پارٹی کی حکومت بنتی ہے تو وہ وعدے پورے کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جو اس کا اگلا ٹرم ہوتا ہے جو آخری ٹرم تصور کیا جاتا ہے وہ ٹرم اگلے الیکشن کے لئے استعمال کرتی ہے، نئے commitments کے لئے۔ تو بطور آئی جے آئی انہوں نے جتنے بھی وعدے کئے تھے۔ صدر صاحب آپ بڑے ہوشیار ہیں، آپ ذرا موازنہ کریں، آپ نے جو 1990ء میں اسمبلی dissolve کی تھی، اس کو بھی دیکھ لیں۔ میں یہ نہیں کہتا۔ لیکن اگر آپ ان حالات کو اور

آج کے حالات کو compare کریں گے تو خدا کی مہربانی سے نتیجہ آپ کو مل جائے گا۔

جناب چیئرمین! ہمارے یہاں سندھی میں ایک مثال ہے، ایک آدمی تھا جو کہ کفن چوری کرتا تھا۔ گاؤں والے مل کر دعا کرتے تھے کہ خدایا! اس کو اٹھا لے۔ اس وقت ہم بھی اسی struggle میں تھے کہ جناب ایک corrupt حکومت ختم ہو۔ لیکن کفن چور جب مر گیا تو اس کا بیٹا جو ہے وہ کفن اتارنے کے ساتھ ساتھ مردے کی بے حرمتی بھی کرتا تھا۔ میں اس کا نام نہیں لینا چاہتا ------- وہ لکڑی لگا دیتا تھا ---- تو لوگ کہنے لگے کہ اے خدا! وہ کفن چور اس سے بہتر تھا کیونکہ یہ تو لکڑی والا ہے۔ تو کیا ہم بد سے بد تر ہوتے چلے جائیں گے۔ Deterioration میں جائیں گے۔ یا کہیں نہ کہیں line draw کریں گے کہ جی یہ ہماری priorities ہیں اور ان priorities کے ساتھ ہم نے آگے بڑھنا ہے۔ کیا اکیسویں صدی میں آپ اس طرح سے جائیں گے۔ ایک طرف سپریم کورٹ اپنا رونا رو رہی ہے۔ دوسری طرف حکومت کو چھوڑیں، وزیراعظم سمیت الزامات ہیں۔ جناب چیئرمین! متحدہ حزب اختلاف نے 28 ریفرنسز تیار کئے اور وہ 28 ریفرنسز گورنمنٹ کے اوپر ہیں، بشمول وزیراعظم کے جناب صدر! آپ یہ ریفرنسز پڑھنے کی زحمت تو کرتے کہ وہ جو ریفرنسز بنائے گئے ہیں وہ صحیح بھی ہیں یا غلط ہیں۔ سپریم کورٹ کا کوئی بینچ بناتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سپریم کورٹ کو suo moto یہ نوٹس لینا چاہیئے اور ان 28 ریفرنسز کی کاپی منگوا کر خود ایک بینچ constitute کرنا چاہیئے اور اس کو investigate کرنا چاہیئے۔ اس سے حقائق آپ کے سامنے آ جائیں گے کہ کیا موٹر وے سکینڈل صحیح ہے یا نہیں ہے۔ آخر کار کوٹ اڈو پراجیکٹ پر بھی الزامات ہیں۔ سوئی گیس کے اوپر بھی ہیں۔ جناب، آپ ذرا مہربانی فرما کر ان کو دیکھیں۔

جناب صدر! آپ کو اس حکومت کی political base کا علم تو 9 اور 10 دسمبر کو ہو چکا تھا جب بابری مسجد جیسے سانحہ پر ایک طرف اس حکومت نے 10 دسمبر کو آر ٹی سی بلوائی اور دوسری طرف اس ملک کی سب سیاسی جماعتیں 9 اور 10 تاریخ کو نوابزادہ نصراللہ خان کی چیئرمین شپ میں لاہور کے اندر اکٹھی تھیں۔ ایک طرف اس ملک کی ساری کی ساری پولیٹیکل پارٹیز تھیں ماسوائے ایک دو کے، اے پی سی اس کے اندر موجود تھی دوسری طرف so-called Islam in

charity alliance کی کابینہ 10 تاریخ کو بغیر کورم کے، بغیر عوام کی participation کے، بغیر کسی پولیٹیکل بیس کے، اسلام آباد شہر کے اندر، اکٹھی تھی۔ اس کے بعد جناب چیئرمین! کون سا پولیٹیکل مارل بیس بنتا ہے اور مارل اتھارٹی بنتی ہے حکومت کو مزید چلانے کی۔ عوام نے تو اپنا مینڈیٹ نہیں دیا۔

جناب والا! صدر صاحب ہیں کہ اکٹھے بیٹھ کر سیاسی اختلافات، طے کریں کہاں پر جناب چیئرمین؟ اس نیشنل اسمبلی میں، جس نیشنل اسمبلی کے لئے تاثر یہ ہے کہ دو سے ڈھائی کروڑ per local ایم این اے purchase ہو سکتا ہے۔ میں سب ایم این اے کی بات نہیں کرتا۔ کچھ قابل احترام بھی ہیں۔ لیکن جناب والا! کون سی اسمبلی میں vote of no-confidence لائیں۔ اس وزیراعظم کے خلاف، جو وزیراعظم خود، اور بشمول جو اس نے colonies پیدا کی ہیں، جو پانچ پانچ، چھ چھ سو کروڑ روپیہ چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر آگے لا سکتی ہیں کیا وہ نیشنل اسمبلی purchase نہیں کر سکتے ہیں؟ پھر جناب والا! کون سے پولیٹیکل differences جناب یہاں پر قومیتیں روتی آ رہی ہیں کہ 1940ء کی قرارداد کے مطابق جس طرح ہم اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں اتنا جھوٹ بولا جا رہا ہے کہ جھوٹ سچ نظر آنے لگا ہے اور سچ جھوٹ نظر آنے لگا ہے۔ عجیب بات ہے کہ جس document کے اوپر یہ ملک بنا ہے اس document سے آپ کو نفرت ہے۔ جس document کے اوپر یہاں پر قومیتوں کو حقوق دینے کی بات کی گئی اس document کو آپ جگہ دینے کے لئے---- آپ نے objective resolution جو کہ 25 صفحوں کا ہے، اسے آئین کا آرٹیکل بنا دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ 1973ء کا آئین بذات خود تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ 1973ء کا آئین ہمیں کچھ نہیں دے سکتا۔ یہ آئین تو خود متضاد ہے۔ 38 آرٹیکل اس آئین کی خود بخود contradictry ہیں آپس میں۔ ہم کس چیز پر جائیں۔ آپ کون سے آئین کی بات کرتے ہیں۔ اس آئین کی بات کرتے ہیں کہ یہاں پر سب سے زیادہ human rights کی violation ہوں، اس آئین کی بات کرتے ہیں جس کی موجودگی میں پریس کے اوپر وہ تشدد ہو کہ خواتین رپورٹرز تک کو بھی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ ہمارے سامنے جس طرح سے ان کی تذلیل کی گئی۔ اس آئین کی بات کرتے ہیں جس آئین کے تحت freedom of speech, freedom of expression کی اجازت نہیں، اس آئین کے تحت، جس آئین کے تحت "نیوز" ---- آپ نے بھی ٹریول کیا ہے--- پی آئی اے میں بند ہو چکی تھی۔ اس آئین کی بات کرتے ہیں جس کے تحت

جھوٹے مقدمات بنا کے "ڈان" اخبار تین دن کے لئے ایم کیو ایم نے بند کروا دی۔ اس آئین کی بات کرتے ہیں جس کے تحت جھوٹے مقدمات بنائے گئے۔ آپ اس آئین کی بات کرتے ہیں جہاں پر پولیٹیکل پراسس روکا گیا۔ Deterioration کی انتہا ہوتی ہے۔ 45 سال میں 33 سال تو آپ کی آرمی نے رول کیا ہے اور آج وہ کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ اندھیرے کے بعد اجالا۔ جناب چیئرمین! کون سا اندھیرا۔ کون سا اجالا۔ سب کچھ یہیں سے ہوتا ہے۔ ہم تو رول ہو رہے ہیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔ ہم تو غلام ہیں اور میں سوچتا ہوں کہ غلام کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔ اور ہم اگر کوئی بات کرتے ہیں تو کبھی حیدرآباد کیس بن جاتا ہے اور کبھی ہمارے اوپر اور بغاوت کیس بن جاتے ہیں۔

آج جناب چیئرمین! جو situation ہے۔ میں آپ کو بتا دوں آپ uni-polar world میں ہیں۔ one lone soldier اس دنیا کا بچا ہے اس وقت۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگلے دس سال تک یوں ہی لگ رہا ہے کہ یہ دنیا اس طرح سے جائے گی۔ اور اس uni-polar world میں آپ یہ اندازہ لگا لیں کہ آپ re-structuring جو پراسس چل رہا ہے، جس طرح آج دیکھ رہے ہیں کہ ریڈ آرمی سوشلزم کو نہیں بچا سکی۔ جس طرح سے چیک اور سلاواک بغیر bullet fire کئے ہوئے الگ ہو گئے ہیں، جس طرح سے باقی ایسٹرن یورپ میں جو changes آ رہی ہیں جناب چیئرمین! پھر آپ بھی نہیں بچ سکیں گے۔ پورا sub-continent نہیں بچ سکے گا۔

جناب چیئرمین! ہماری پارلیمنٹ میں کیا سلسلہ ہے 29 منٹ میں تو بارہویں ترمیم پاس ہوئی۔ جناب صدر نے تعریف کی ہے کہ لیجسلیشن بڑے زور سے ہو رہی ہے۔ ہاں جناب اس طرح سے ہو رہی ہے کہ 29 منٹ میں 12 ترامیم---- ایک ترمیم جس کے لئے کئی ہزار working hours لگتے ہیں تیار کرنے میں۔ جناب! یہاں معزز وزیر قانون بیٹھے ہیں، جو کہ بڑے learned ہیں، ان کو ذرا بولیں کہ 29 منٹ میں کوئی ترمیم آئین کی تیار کر لیں۔ جو آپ نے پاس کرا لی جس سے basic fundamental rights affect ہوئے ہیں۔

جناب چیئرمین! اگر آپ نے اس ملک کو چلانا ہے آپ کو یہاں پر three tier democratic structure دینا پڑے گا۔ جناب چیئرمین! تین حصوں

میں اقتدار کو منتقل کرنا پڑے گا۔ ایک حصہ اس کا فیڈرل گورنمنٹ کی ہو گی جس کے پاس صرف چار سبجیکٹس ہوں گے۔ ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں اگر آپ نے ملک کو چلانا ہے جناب چیئرمین! کسی نے کسی کو فتح نہیں کیا، کوئی مفتوح نہیں ہے، دوسری سطح پر صوبائی حکومت ہو گی۔ وہ صوبائی حکومت جام صادق ، مظفر شاہ جیسی نہیں ہو گی جس کو ڈائریکٹلی اسلام آباد سے بنایا اور گرایا جائے جو آرمی کی مہیا کی ہوئی بیساکھی پر کھڑے ہیں۔ جناب چیئرمین! سندھ سے کل فوج withdraw کر لیں۔ میں قسم کی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک دن بھی یہ گورنمنٹ continue نہیں کرے گی اور وہ آرمی خود بھی سوچے۔ اگر ہم ایک طرف سے appreciate بھی کرتے ہیں کہ لاء اینڈ آرڈر کی situation قدرے بہتر ہوئی ہے اور دوسری طرف سے یہ بھی بات رکھتے ہیں وہاں ٹنڈوبہاول جیسے incidents بھی ہوئے ہیں اور وہاں پر deaths in custody بھی جاری ہیں۔ میرے پاس 25 نام موجود ہیں۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : جناب جتوئی صاحب اب وائنڈ اپ کریں۔ آپ کا ٹائم ختم ہو رہا ہے۔ چار منٹ باقی ہیں۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی : جناب میں کوشش کر رہا ہوں کیونکہ کافی ہو چکا ہے۔ کل ہم پھر ہوں نہ ہوں یا کل پھر یہ موقع ہو یا نہ ہو۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : چونکہ پہلے یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔
Don't argue the thing but continue your speech.

جناب اعجاز علی خان جتوئی : میں کوشش کرتا ہوں آج کی ہماری نیشنل اسمبلی parliament lack of quorum ہے۔ یہ پارلیمنٹ ڈیموکریسی ہے۔ پارلیمنٹ ڈیموکریسی میں کرکٹ ٹیم کے جتنے وزراء ہیں، آج ایک وزیر ہماری موجودگی میں بیٹھے ہیں اتنے وزراء میں جناب چیئرمین! اگر ڈنڈے لے کر اسلام آباد شہر میں گھس جائیں، میں سمجھتا ہوں سارا شہر بھاگ جائے گا۔ ایک وزیر بیٹھا ہوا ہے۔ آپ کے حکم سے ہم کورم پوائنٹ آؤٹ نہیں کرتے۔ کورم دیکھ لیں یہ پارلیمنٹ ڈیموکریسی میں انٹرسٹ ہے۔ یہ انٹرسٹ اس آگسٹ ہاؤس میں ہے جو سب سے بڑا آئین کا کسٹوڈین ہے۔ یہ موجودہ حکومت بلکہ کئی حکومتوں کو میں کہوں گا کہ موجودہ حکومت کی بڑی مہربانی ہے کہ جس طرح پارلیمنٹ کے وقار کو دبایا گیا ہے

اور اس کی اہمیت کو ختم کیا گیا ہے-----

جناب پریذائڈنگ آفیسر : غالباً جتوئی صاحب کورم ہمارا پورا ہے۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی : شکر کریں ہمارا کورم پورا ہے۔ نیشنل اسمبلی میں گھنٹیاں بجانے کے بعد بھی نہیں ہوتا ہے۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : ہمارا کورم پورا ہے اور ہمارا ہمیشہ پورا رہا ہے۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی : جناب چیئرمین! ہم پوائنٹ آؤٹ نہیں کرتے۔ حکم ہوتا ہے اس لئے پوائنٹ آؤٹ نہیں کرتے ہیں۔ جناب economic situation میرے دوست منظور گچی صاحب نے کل کافی فگرز دیئے ہیں لیکن جناب والا! افسوس سے کہنا پڑتا ہے deficit جو اس وقت ہے سو بلین سے اوپر deficit ہے۔ جناب چیئرمین جو کریڈٹ 28 بلین پرائیویٹ سیکٹر کو دیا گیا۔
17.7 billion above the target or rupees 45,390.01 million.
جو ہیں وہ کہتے ہیں اگر اسی طرح سے گورنمنٹ کی Independent resources borrowing چلتی رہی، اسی طرح سے administrative expenditure ہوتے رہے۔ اس طرح سے ڈویژن، وزارتوں کا، وزیراعظم کا جو expenditure چلتا رہا تو ہمیں بڑی دقت آپ کے سامنے نظر آ رہی ہیں۔ جناب تھوڑی دیر کے لئے میں اپنے محکوم صوبہ سندھ کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ وزیر اعظم صاحب۔

Mr. Presiding Officer: Mr. Jatoi time is over, please try to wind up now.

جناب اعجاز علی خان جتوئی: جناب 5 منٹ کے بعد میں ختم کرتا ہوں وزیراعظم صاحب نے کچے میں زمینیں بانٹنا شروع کیں۔ بڑی خوشی ہے، اچھی بات ہے بانٹیں۔ لیکن جناب والا! ہمارے کچھ تاریخی حقوق اس سے اوپر ہیں۔ ہمارے پاس تین بیراجز گدو بیراج، سکھر بیراج، اور کوٹری بیراج بنائے گئے جس کے تحت 21/20 لاکھ ایکڑ زمین تین بیراجز کے ذریعے نان سندھی آرمی کے جنرلز اور

کرنلز کو گرانٹ کے طور پر دی گئی جبکہ کچے کی زمین 18 لاکھ ایکڑ بنتی ہے جو صرف ایک فصل دیتی ہے۔ میں آپ کے توسط سے ڈیمانڈ کرتا ہوں کہ وہ 21 لاکھ ایکڑ (قانون سازی کرکے) کینسل کرکے سندھی ہاریوں میں بانٹی جائے۔ وزیر اعظم صاحب اگر آپ انصاف کا کام کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کے توسط سے ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ باقی آپ کی ڈیڑھ سو کے قریب ملیں ہیں اور فونڈریز ہیں اس میں مزدور کو برابر کا حصہ دار تو بنائیں کیونکہ زمیندار تو برابر کی بٹائی کرتا ہے۔ لیکن میں آج اس فورم پر کہتا ہوں اگر وزیراعظم صاحب مزدور کو برابر کا حصہ دار بناتے ہیں انڈسٹریز میں خدا کی قسم میرے کھاتے کی جتنی زمین ہے اور جو میری فیملی کی ہے ہم آپ کے سامنے surrender کریں گے۔ بشرطیکہ ہم نے بیراجز کے حوالے سے جو 21 لاکھ ایکڑ زمین دی ہوئی ہے وہ بھی کینسل کی جائے۔

موجودہ سندھ حکومت میں جو tremendous قسم کی کرپشن چل رہی ہے، جناب چیئرمین! ہمارے ساتھ کیا ظلم ہے governments تبدیل ہوتی ہیں کرپشن چینج نہیں ہوتی۔ جناب چیئرمین! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں irrigation communications دو ڈیپارٹمنٹ ایسے ہیں جہاں ٹینڈر ہی نہیں ہوتا۔ 5 کروڑ روپے کا ایک بل اس وی آئی پی کنٹریکٹر نے لیا ہے جس طرح امریکہ اکیلا loan دیتا ہے اسی طرح وہ بھی اکیلا سندھ میں وی آئی پی کنٹریکٹر ہے جو منظور نظر ہے صاحبان کا 5 کروڑ روپے کا ایک بل لیا ہے جناب چیئرمین! ایک کمیٹی بنا کر آپ وہاں چلیں stone pitching کا کام تھا، ایک ٹرک بھی پتھر کی نہیں اتری۔ جناب مظفر حسین شاہ نے 35 ہزار ایکڑ زمین اپنے un-popular,un-representative گورنمنٹ کو continue کرنے کے لئے سیاسی رشوت کے طور پر باقی لوگوں کو دی ہے۔

جناب چیئرمین! میں سمجھتا ہوں یہ آج کے حالات ہیں۔ جناب فارن پالیسی دیکھ لیں آج ہماری کیا فارن پالیسی ہے۔ کوئی ہے فارن پالیسی؟ پہلے تو ہماری فارن پالیسی رابرٹ اوکلے بناتے تھے۔ آج جو فارن پالیسی ہے ہم اکیلے کھڑے ہیں۔ جس طرح ہاتھی اپنی آنکھیں بند کر دیتا ہے۔ مجھے وہ گورنند نہیں اٹھائے گا، وہ مجھے نہیں دیکھ رہا ہے۔ افغانستان کی سچوایشن ٹوٹل سول وار اور انارکی میں چلی گئی ہے۔ وہاں کوئی حکومت نہیں ہے اور اگر افغانستان دو تین چار حصوں میں بٹا اس کی

حصّہ داری موجودہ حکومت کے اوپر ہے کیونکہ آپ نے ایک ریٹائرڈ جنرل بھی وہاں پر بھجوا دیا ہے۔ اور terrorist state کے طور پر ہم ڈیکلیئر ہونے کے لئے verge پر کھڑے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے ٹیررورسٹ کا مطلب کیا ہے، آپ کی جو فارن پالیسی ہے، آپ کے جتنے ہمسائے تھے، افغانستان، ہندوستان، چائنا، جتنے بھی ہیں آپ بتائیں کن سے آپ نے دوستی کی ہوئی ہے۔ آپ مجھے بتائیں آج کتنے دوست دنیا میں موجود ہیں۔ آج آپ نے ڈائیوو کو کنٹریکٹ دینے کے لئے ساؤتھ کوریا کو involve کیا۔ اتنا involve کیا کہ جاپان کے ساتھ آپ نے اپنی دوستی گنوائی۔ جناب! اس سے زیادہ کیا فارن پالیسی کی کامیابی ہے، وزیراعظم صاحب لاسٹ منٹ پر بی بی سی پر appear ہونے سے انکار کر دیتے ہیں، جہاں میں سمجھتا ہوں پاکستان کو انٹرنیشنلی دھچکا لگا ہے۔ ایک پوائنٹ آف ویو تھا، وہ دینا چاہیئے تھا۔ نرسمہاراؤ نے آکر پوائنٹ آف ویو دیا اور کئی سوالات میں ان پر embarrassment بھی ہوئی۔

جناب چیئرمین! میں سمجھتا ہوں آج کے حالات میں decentralization اور re-evaluation کا process immediately لانا ہے۔ یہ نظام جو مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے اس کو دوبارہ نئے سرے سے قومیتوں کے حقوق کو سامنے رکھتے ہوئے historical aspect کو سامنے رکھتے ہوئے بنانا پڑیگا۔ یہاں پر تین حصوں میں حکومت بنانی پڑے گی اور میں جناب صدر سے آپ کے توسط سے اپیل کرتا ہوں کہ جناب موجودہ کرپٹ گورنمنٹ کو ڈس مس کرکے، اسمبلی dissolve کرکے، یہاں پر نئے طریقے سے انتخابات کرا کے ہمیں انصاف دلایا جائے۔ آپ کا شکریہ !

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ اگلے مقرر خواجہ صفدر صالح صاحب ہیں۔

خواجہ محمد آصف: جناب خواجہ صفدر میرے والد کا نام تھا جی۔

Mr. Presiding Officer: I am sorry I am really very sorry. Khawaja Mohammad Asif.

خواجہ محمد آصف: جناب چیئرمین! میں صدر مملکت کے خطاب سے پہلے مختصراً جتوئی صاحب کے اٹھائے گئے کچھ نکات کی طرف آؤں گا۔ جتوئی صاحب نے نہایت impunity کے ساتھ موجودہ حکومت (وفاقی حکومت) اور سندھ کی صوبائی

حکومت پر تنقید کی ہے- میرا خیال ہے اس سے بڑی نورا کشتی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ان کے بھائی اس حکومت میں جام صادق کے ساتھ بھی تھے، مظفر شاہ کے ساتھ بھی ہیں اور آج کی اخبار میں آیا ہوا ہے کہ سندھ میں تمام پبلک سروس کمیشن کی پوسٹوں پر ان کے خاندان نے قبضہ کیا ہوا ہے- یہ ایک طرف سندھ کی حکومت کو انہوں نے ٹوٹی لگائی ہوئی ہے اور دوسری طرف اس سینٹ کے فلور پر اسی حکومت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں- میرا خیال ہے اس نے بڑی زیادتی، میں لفظ تو کوئی استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن اتنی impunity کے ساتھ میں نے کسی آدمی کو .... ایک طرف تو یہ جو انہوں نے فرمایا ہے اس میں ان کے بھائی حصہ دار ہیں- یہ اپنے آپ کو محکوم اور غلام کہتے ہیں جبکہ حاکم بھی خود ہیں محکوم بھی خود ہیں- یہ اتنا بڑا فراڈ میں نے تو کہیں اور نہیں دیکھا- میرا خیال ہے ان کے خطاب کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی تھا- اب میں صدر مملکت کے خطاب کی طرف آتا ہوں-

جناب صدر مملکت نے اپنے 22 دسمبر کے خطاب میں ملکی صورتحال کا بے لاگ تجزیہ کیا اور شاید ہی ہماری قومی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ رہ گیا ہو جس کے متعلق انہوں نے تجزیہ نہ کیا ہو- انہوں نے قومی معیشت ہو، ملک میں جمہورت کاعمل ہو، اسلامائزیشن کا عمل ہو، خارجہ پالیسی ہو تقریباً تمام زندگی کے شعبہ جات پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے- میں بھی ان کے خطاب کے کچھ حصوں پر بات کروں گا- سب سے پہلے جو ہمارے نیشنل اکانومی نے پچھلے دو سال سے زائد عرصے میں revolutionary changes دیکھی ہیں میں ان پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا- ہماری حکومت نے اکانومی کو موجودہ زمانے سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بہت دور رس اور انقلابی اقدام اٹھائے ہیں- ہماری معیشت پچھلے 45 سال سے گھسی پٹی اور فرسودہ لائنوں پر چل رہی تھی- ہماری حکومت نے اس کو 21 ویں صدی میں لے جانے کے لئے اقدامات کے ڈی ریگولیشن، پرائیویٹائزیشن اور ڈی نیشنلائیزیشن کے پراسس سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں- بہت سے قومی یونٹوں کو پرائیویٹائز کر دیا گیا ہے یا ڈی نیشنلائیز کر دیا گیا ہے- حکومت کا رول کنٹرولر سے پروموٹر کا ہوگیا ہے- پہلے حکومت جو تھی وہ کنٹرول یا ریگولیٹ کرتی تھی، اب وہ ٹریڈ یا اکانومی کو پروموٹ کرتی ہے- ان اقدامات کی وجہ سے پچھلے سال ہمارا growth rate دنیا کے بہترین growth rates میں رہا ہے- فارن انوسٹمنٹس ملک کے اندر آئیں- ملٹی نیشنلز کا interest جو ہے وہ ملک کی اکانومی میں stimulate ہوا-

یہ ساری باتیں حکومت کے ان اقدام کی وجہ سے تھیں جو پچھلے دو اڑھائی سالوں میں لئے گئے۔

اکانومی کو ترقی دینے کے لئے جس بنیادی انفراسٹرکچر کی ضرورت تھی، ہماری حکومت تیزی سے اس انفراسٹرکچر کو قائم کر رہی ہے۔ اس میں ٹیلی کیمونیکشن، کمیونیکیشن انفراسٹرکچر، یہ ساری چیزیں تیزی سے عمل میں آ رہی ہیں۔ اور قوی امید ہے کہ ہم 21 ویں صدی میں ایک ترقی یافتہ ملک کی حیثیت سے داخل ہو سکیں گے۔ ان تمام اقدامات کے لئے جو قطعاً معمولی نہیں تھے جرات اور کمٹمنٹ کی ضرورت تھی۔ ہماری حکومت نے نہایت جرات اور کمٹمنٹ کے ساتھ ان اقدامات کو اٹھایا اور انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی قوم ان اقدامات کے نتائج دیکھے گی اور ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہوں گے۔

جناب والا! اس وقت بعض نیشنل ایشوز ایسے ہیں جن پر فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ ان پر صدر مملکت نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ہماری حکومت بھی ان پر فوری توجہ دے رہی ہے۔ ان میں تعلیم اور صحت کا شعبہ نہایت ضروری اور اہم ہے۔ ہمارا معیار تعلیم اور شرح خواندگی پچھلے 45 سال میں بہتر ہونے کی بجائے ابتر ہوئی ہے۔ ہمارا معیار تعلیم، امتحانات کا سٹینڈرڈ، اتنا بری طرح گر چکا ہے، اس کے لئے بڑے انقلابی اقدام کی ضرورت ہے۔ آج ہمیں جو ایجوکیشن پالیسی 1992ء دی گئی ہے۔ اللہ کرے کہ نئی ایجوکیشن پالیسی کے تحت ہمارا معیار تعلیم اور شرح خواندگی increase ہو اور یہ جو decline ہے ہم اس کو arrest کر سکیں۔

صحت کے شعبے میں سب سے alarming بات جو ہے وہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ اس وقت پاکستان میں جو شرح آبادی میں اضافہ ہے وہ میرے علم کے مطابق دنیا میں highest ہے اگر اسی طرح ہماری آبادی بڑھتی رہی تو یہ تمام growth rate یا یہ جو اکانومی کی ترقی کی باتیں بالکل فضول ہو جائیں گی۔ یہ سارے کا سارا development جو ہے یہ ساری کی ساری اکانومی کی ترقی جو ہے یہ neutralize ہو جائے گی۔ اس کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کو ایک نیشنل ایشو کے طور پر ٹیک اپ کر کے عوام کو educate کرنا چاہیئے کہ ہماری ترقی کا راز اسی میں ہے کہ ہم اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکیں۔ بڑھتی ہوئی

آبادی نہ صرف بذات خود ایک مصیبت ہے بلکہ یہ دوسرے resources کے اوپر بھی بہت زیادہ strain ہے۔

جناب والا! اس کے بعد میں خارجہ پالیسی کی طرف آتا ہوں۔ ہماری خارجہ پالیسی پچھلے دو تین سال سے مختلف stages سے گزر رہی ہے۔ سب سے اہم مسئلہ ہماری خارجہ پالیسی میں کشمیر کا ہے۔ کشمیر پر جو ہماری commitment ہے وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اس commitment کو پورا کرنے میں جو دشواریاں ہمیں پیش آ رہی ہیں اور جو international pressure ہم پر build up ہو رہا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم بڑی جرات مندی کے ساتھ اس کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمیں terrorist state declare کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کشمیر کا مسئلہ ہم نہیں چاہتے کہ جنگ کے ذریعے حل ہو۔ کشمیر کا مسئلہ پر امن طریقے سے حل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ پرامن طریقے سے حل نہ ہوا تو جو بھی ذرائع ہمیں میسر ہیں ہمیں ان طریقوں سے اسے حل کرنا پڑے گا چاہے اس میں ہمیں کتنی ہی مشکلیں، کتنے ہی دباؤ کا سامنا کرنا پڑے۔

جناب والا! اس ضمن میں پاک امریکہ تعلقات کا بھی ذکر کرنا مناسب ہو گا۔ پاک امریکہ تعلقات میں جو پچھلے چند سال میں deterioration ہوئی ہے وہ اس میں ایک تو نیوکلیئر کا مسئلہ ہے اور دوسرا کشمیر کا مسئلہ۔ امریکی حکومت چاہتی ہے کہ ہم اپنے نیوکلیئر پروگرام کو abandon کردیں۔ میرے نزدیک نیوکلیئر پروگرام کو abandon کرنا خودکشی کے مترادف ہو گا۔ ہم اور دنیا میں کئی اور مما لک اس وقت نیوکلیئر capability جو ہے وہ attain کر چکے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ نیوکلیئر capability کسی جنگی مقاصد کے لئے حاصل کی گئی ہو۔ developing countries میں energy کی cost جو اتنی بڑھ گئی ہوئی ہے کہ nuclear capability اور nuclear resources انرجی حاصل کرنا لازم ہو چکا ہے۔ ہم بھی ایک پرامن nuclear programme کو pursue کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں کسی ملک کو خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے، ہوسکتا ہے ہندوستان کے ساتھ ہمارے تعلقات کی وجہ سے امریکہ کو اس بات کا خدشہ ہو کہ اس خطے میں ایک ایٹمی جنگ چھڑ سکتی ہے۔ لیکن یہ خدشات دور کئے جا سکتے ہیں۔ امریکہ ہی ہمارے regional مسائل جو ہیں ان کو حل بھی کروا سکتا ہے۔ اور یہ ایٹمی جنگ کی جو threat ہے so-called threat جو امریکہ نے pursue کی ہوئی ہے، اس کو دور کیا جا

سکتا ہے۔

جناب والا! اس کے علاوہ افغانستان کا مسئلہ افغانستان میں ایک جنگ بند ہو گئی ہے اب دوسری جنگ خانہ جنگی شروع ہو چکی ہے۔ ہمارے لئے یہ نہایت دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ ہمارے افغان بھائی جو ہیں آزادی حاصل کرنے کے بعد اب وہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ اپنے معاملات جو وہ آپس میں بیٹھ کر طے کریں اور بجائے بندوقوں کے ذریعے طے کرنے کے گفت و شنید کے ساتھ طے کریں۔ اس میں اگر ہم کوئی مدد کر سکتے ہیں تو ہماری خدمات ان کے لئے حاضر ہیں۔ لیکن یہ ان کا اندرونی معاملہ ہے، یہ وہ خود ہی طے کریں تو ہمارے لئے بہتر ہو گا۔

جناب والا! پچھلے ایک سال میں، ایک ڈیڑھ سال میں دنیا نے بوسنیا میں مسلمانوں کا قتل عام دیکھا اور جو ابھی جاری ہے۔ ہماری حکومت نے اس مسئلے پر جو انٹرنیشنل فورم پر stands لئے وہ سب کے سامنے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہم نے مشرقی بوسنیا کو اقوام متحدہ کے ذریعے امداد دینے کا اعلان کیا ہے۔

جناب! آخر میں، میں ملک میں جمہوری عمل کی طرف آؤں گا۔ سب سے پہلے موجودہ انتخابات کا جو طریقہ کار ہے صدر مملکت نے اس کے متعلق بات کی ۔ انہوں نے بجا فرمایا کہ موجودہ انتخابات جو ہیں اس میں عام آدمی منتخب ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں انتخابی قوانین کو radically change کرنا چاہیئے اور ان کو enforce کرنا چاہیئے اور یہ ensure کرنا چاہیئے کہ یہ لاکھوں کروڑوں روپے جو الیکشنوں پر خرچ ہوتے ہیں، وہ الیکشنوں پر خرچ نہ ہوں بلکہ کسی بہتر مقصد کے لئے قوم اور ملک کی ترقی پر خرچ ہوں۔ اس سلسلے میں میری تجویز ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں نشستوں کا بھی اضافہ ہونا چاہیئے۔ اس سے موجودہ نیشنل اسمبلی تقریباً دو لاکھ ووٹوں کو represent ایک سیٹ کرتی ہے۔ اور صوبائی اسمبلی تقریباً ایک لاکھ ووٹوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی صوبائی اسمبلی کا ممبر اور نیشنل اسمبلی کے ممبر کے لئے یہ possible نہیں کہ وہ اپنے اہل حلقہ سے انصاف کر سکے۔ اس کے لئے اگر سیٹیں جو ہیں present strength سے بڑھا کے پانچ سو یا چھ سو کر دی جائیں تو میرا خیال ہے کہ مناسب ہو گا۔

دوسرا جناب پارلیمنٹ کی sovereignty کا مسئلہ ہے۔ اس میں پہلا مسئلہ میرے نزدیک جس طرح کہ آسٹریلیا میں اور امریکہ میں تمام اہم پوسٹوں پر جو تعیناتی ہوتی ہیں وہ پارلیمنٹ کی یا سینٹ کی یا house of representatives کی joint committees ان کو approve کرتی ہیں۔ اس سے پارلیمنٹ کی جو بالادستی ہے، وہ قائم ہو گی اور بیوروکریسی پر جو ہولڈ ہے وہ مضبوط ہو گا۔ اس امر کا اظہار پہلے بھی مختلف اوقات پر ہو چکا ہے۔ اب جناب پارلیمنٹ کی بالادستی کے لئے دوسری میری تجویز آٹھویں ترمیم کے بارے میں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آٹھویں ترمیم کے ذریعے پچھلے آٹھ سال سے اسمبلیوں کو یرغمال بنایا گیا ہوا ہے۔ جس وقت یہ ترمیم پاس کی گئی اس وقت حالات مختلف تھے۔ وہ کن مجبوریوں کی وجہ سے اس ترمیم کو پاس کرنا پڑا۔ میرا خیال ہے وہ میرے senior colleagues سب جانتے ہیں۔ لیکن آج وہ حالات نہیں ہیں۔ وہ موقع نہیں ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ ہمارا اس ترمیم سے آٹھویں ترمیم سے چھٹکارا ہو جائے۔

جناب والا! آٹھویں ترمیم کے تحت صدر مملکت نے دو دفعہ اسمبلیاں dissolve کیں۔ پہلی دفعہ جب اسمبلیاں dissolve ہوئیں وہ قصہ آج بھی چل رہا ہے۔ وہ controvercy آج بھی چل رہی ہے۔ آج بھی سپریم کورٹ میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ آٹھویں ترمیم کے تحت صدر مملکت کا پہلی دفعہ اس ترمیم کا استعمال جو تھا اس کے effects جو ہیں یا اس کے tremors وہ آج بھی ہم محسوس کر رہے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہو گا کہ آٹھویں ترمیم کو تو منسوخ کر دیا جائے یا نئی ترامیم کے ساتھ اس میں توازن پیدا کیا جائے اور پارلیمنٹ کی بالادستی کو قائم کیا جائے۔ جب تک آٹھویں ترمیم کی یہ تلوار جمہوریت کے سر پر لٹکی رہے گی کوئی بھی حکومت چاہے وہ ہماری حکومت ہو یا کسی اور پارٹی کی حکومت ہو وہ آزادی سے کام نہیں کر سکے گی۔ یہ پارلیمنٹ جو ہے خصوصاً ہماری نیشنل اسمبلی جہاں سے وزیراعظم کا انتخاب ہوتا ہے directly elected لوگ ہیں۔ ان لوگوں نے عوام کے ووٹ لئے ہوئے ہیں۔ ان کا حق یہ ہے کہ ان کی بالادستی قائم ہو۔ کسی فرد واحد کو یہ حق نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ جس وقت چاہے ان کا بوریا بستر باندھ دے اور انکو گھر بھیج دے۔ میرا خیال ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اسکا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ یہ ایک غیر جمہوری ہے۔ ہمارے آئین کا حصہ ہے۔ اس کو ختم ہونا چاہیئے۔

جناب والا! آخر میں،میں صدر کے انتخاب کے متعلق مختصراً عرض کروں گا۔ جناب والا! جمہوری عمل کو پاکستان میں شروع ہوئے سات آٹھ سال ہوئے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ جمہوریت ہمارے ملک میں جڑیں پکڑے اور یہ جمہوریت کا پودا پروان چڑھے اور ہم بھی فخر کے ساتھ کہہ سکیں کہ جمہوریت ہمارے ملک میں مضبوط ہے۔ میرے نزدیک صدراتی انتخابات گیارہ مہینے پہلے اس کی compaign start کر دینا کوئی مناسب نہیں ہے۔ صدارتی انتخاب کے لئے ایک دو مہینے کی compaign بلکہ ہفتہ دس دن کی compaign بھی کافی ہے۔ موجودہ صدر کے علاوہ اس وقت کوئی اور موزوں امیدوار میدان میں نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غیر ضروری controvercy اور یہ جو غیر ضروری گرما گرمی پیدا کی ہوئی ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں national energies اس طرح waste نہیں کرنی چاہیئے۔ جب موقع آئے گا respectable طریقے سے اس کا حل کیا جا سکتا ہے۔ ہم سب لوگ جو ہیں چاہیں گے بغیر کسی بدمزگی سے یا بغیر کسی تلخی سے اس مرحلے کو نمٹایا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس موجودہ گرما گرمی کو اگر ٹھنڈا کیا جائے تو یہ ملک و قوم کے مفاد میں ہوگا۔ یہ premature compaign جو ہے یہ مناسب نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : شکریہ خواجہ صاحب، ہاں جی جتوئی صاحب آپ کا پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی: جناب چیئرمین!ایسی بات کی گئی میرے کولیگ نے ان کے آٹھویں ترمیم کے بارے میں جو خیالات تھے ان میں تو انکے والد صاحب مرحوم پیش پیش تھے پاس کرانے میں اور dictator کے ساتھی بھی تھے اور میرے والد نے اس وقت نیشنل اسمبلی میں اس آٹھویں ترمیم کی مخالفت بھی کی تھی اور dictator کی بھی مخالفت کی تھی۔ فیملی کے حوالے سے بات کی گئی ہے تو جناب میں تھوڑا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جنکا ذکر کیا ہے نہ میرے کہنے پر انکو رکھا ہے اور نہ آدھی سندھ گورنمنٹ ان کے حوالے ہے۔ میں نے یہاں ہاؤس کے فلور پر commitment کی ہے کہ اگر corruption میں ہماری فیملی کا کوئی آدمی involve ہے یا اس گورنمنٹ کے خلاف یا میرے خلاف کوئی ثبوت ہے یا میرے والدصاحب کے خلاف کوئی ثبوت ہے یا میرے بھائی کے خلاف کوئی

ثبوت ہے پلاٹ پرمٹ کا وہ یہاں لائیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کہہ دینا.........

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جتوئی صاحب یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں بنتا۔ جتوئی صاحب......

جناب اعجاز علی خان جتوئی: جن کے والد خود dictator کے ساتھی ہوں اور جو eighth amendment پاس کرائیں وہ آج کھڑے ہو کر eighth amendment کی مخالفت کرتے ہیں، یہ زیادتی ہے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں بنتا باقی ہر چیز ریکارڈ پر ہے جی پتہ ہے جی۔

جی مندوخیل صاحب point of personal explanations جی۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: کل جو یہاں ہم نے statement دی تھی یا اس میں ہم نے بحث میں حصہ لیا تھا تو اس میں آج اخبارات میں ایک اخبار میں آیا ہے کہ میں نے یعنی پشتونخواہ نام کے لئے موجودہ جو صوبہ ہے یا مجموعی پشتونوں کا جو صوبہ ہے اس کے لئے referendum کی بات کی ہے۔ میں نے یہ نہیں کہا۔ میں نے referendum کی مخالفت کی ہے۔ میں نے یہ کہا کہ referendum اگر کرنا ہے تو پھر پنجاب میں بھی ہونا چاہیئے، سندھ میں بھی ہونا چاہیئے، بلوچستان میں بھی ہونا چاہیئے یعنی میں نے مخالفت کی تھی۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: ہاں جی یہ record پر ہے۔

(مداخلت)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: ہاں۔ ویسے اخبار میں آیا ہے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جو آپ فرما رہے ہیں this is on record there.

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: انھوں نے کہا ہے کہ عبدالرحیم نے یہ تجویز پیش کی ہے۔ حمایت کی۔ ایسا نہیں ہے۔ ہم نے referendum کی مخالفت کی ہے۔

Mr. Presiding Officer: This is on record there.

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: یہ ہمارا قومی حق ہے۔ ہمارا اپنا نام، اپنا تشخص ہے بغیر کسی.......

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : ابھی جناب سید احسان شاہ صاحب آپکی باری ہے اگر آپ....

سید احسان شاہ: شکریہ۔ جناب چیئرمین صاحب آپ کا انتہائی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے موقع فراہم کیا کہ میں اپنی طرف سے اپنی پارٹی کی طرف سے اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

جناب چیئرمین صاحب، 22 دسمبر کو جناب صدر صاحب نے مجلس شوریٰ سے جو خطاب کیا، وہ ایک متوازن اور ایک دانشمندانہ اور ایک اچھی تقریر تھی جس میں انہوں نے ہماری زندگی کے ہر شعبے پر بحث کی۔ انہوں نے جہاں حکومت کی اچھائیوں کی تعریف کی وہاں پر حکومت کی برائیوں کا بھی ذکر کیا۔ جہاں پر وہ الیکشن کے طریقہ کار سے مطمئن نہیں تھے وہاں انہوں نے اسمبلیوں کی ضرورت پر بھی زور دیا۔

جناب اب میں آتا ہوں جمہوریت کی طرف جناب ہم یہاں نیشنل اسمبلی میں Senate میں اور ہر جگہ کہتے ہیں جی جمہوریت اس ملک میں ہونی چاہیئے۔ جمہوریت ہے لیکن میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس ملک میں جمہوریت اصل انداز میں کبھی رائج نہیں ہوئی۔ جمہوریت یہاں ہمیشہ ہم........ اس ملک میں جب جمہوریت کی بات ہوتی ہے تو ہم ذوالفقارعلی بھٹو صاحب سے لیتے ہیں۔ آپ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو دیکھیں، کیا وہ جمہوری انداز سے آئے۔ جناب والا! وہ

جمہوری انداز سے نہیں آئے۔ وہ بھی فوج کے بوٹوں کے ساتھ اور فوج کے ٹینکوں پر بیٹھ کر آئے۔ جنرل یحییٰ صاحب نے ان کو اس ملک کا...... جبکہ عوامی لیگ الیکشن جیت چکی تھی لیکن ایک فوجی جرنیل نے یہاں ان کو لا کے وزارت عظمیٰ کے منصب پر بٹھا دیا۔

جناب والا! یہاں پر جب ہم جمہوریت کی بات کرتے ہیں وہاں پر ہم فوج کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں جب کہ اس میں خالی فوج involve نہیں ہے۔ اس ملک میں جمہوریت کی پامالی جو ہے اس میں صرف فوج کا ہاتھ نہیں ہے اس میں اس ملک کے سیاستدانوں کا بھی ہاتھ ہے۔ ابھی آپ دیکھ لیجیے کہ انتخابات کے آٹھ مہینے بعد بھی یہی کہا جا رہا ہے کہ جی اسمبلیاں بوگس ہیں۔ حلف لینے کے بعد، اسمبلی کی مراعات لینے کے بعد آٹھ مہینے بعد پھر آپ کہیں کہ اسمبلیاں بوگس ہیں۔ یہ جناب کہاں کا انصاف ہے اور کس جمہوریت کی بات کرتے ہیں۔ اسمبلیاں جب بوگس ہوتی ہیں، الیکشن میں رگنگ ہو تو وہ 1977ء میں آپ نے دیکھا اس وقت عوام کا دوسرے دن کیا ردعمل تھا۔ جناب والا! اس ملک میں امن و امان کی صورت حال پر جناب President صاحب نے کچھ اظہار خیال کیا ہے۔ پچھلے بارہ سال کی امن و امان کی صورت حال ہمارے سامنے ہے۔ وہ ہم سب پر عیاں ہے کہ اس وقت ملک میں کیا ہو رہا تھا۔ دہشت گردی، ڈاکہ زنی، ڈکیتی روز کے معمول تھے۔ ہم اپنے قومی اخبار جب اٹھاتے تھے تو ان میں سرفہرست یہ ہوتی تھی جی کہ فلاں بنک سے اتنے لاکھ روپے لوٹے گئے فلانی جگہ پر اتنی ڈکیتی ہوئی لیکن آج خداوند پاک کا شکر ہے کہ موجودہ حکومت نے ایسے انتظامات کئے ہیں جن سے وہ چیزیں یکسر ختم تو نہیں ہوئی ہیں لیکن ان میں کمی ضرور آئی ہے۔

امن و امان کی جہاں تک بات ہے تو وہ ہمارے federation کے ایک یونٹ میں انتہائی خراب تھی اور وہ تھی سندھ۔ جناب موجودہ حکومت نے سندھ میں فوج کی خدمات لیں فوج کو وہاں بھیجا اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اگرچہ وہاں پرمکمل طور پر امن نہیں لیکن اس کی حالت پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہے لیکن جناب والا! یہ اس کا حل نہیں ہے۔ سندھ میں معاشی مسائل ہیں، سندھ میں سیاسی مسائل ہیں۔ فوج کو آپ کتنی دیر تک سندھ میں رکھ سکیں گے، آخر ایک دن فوج اپنی چھاؤنیوں میں جائے گی۔ اس وقت کیا ہو گا، جو بارہ سال پہلے ہو رہا تھا پھر وہی شروع ہو جائے گا۔ جناب والا! سندھ کے حوالے سے میری گزارش

یہ ہے کہ فوجی اقدامات کے ساتھ ساتھ ہمیں سیاسی اقدامات بھی کرنے چاہئیں اگر وہاں ہم دیرپا امن کی خواہش رکھتے ہیں۔

جناب والا! اب میں خارجہ پالیسی پر آتا ہوں، اس وقت سب سے نازک مسئلہ کشمیر کا ہے وہ اس لئے کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ کشمیر ہمارا ہے اور انڈیا اس کو بار بار اپنا اٹوٹ انگ قرار دے رہا ہے اور جتنا عرصہ لمبا ہوتا جا رہا ہے کشمیریوں کی جدوجہد کا وہاں پر نئی قوتیں ابھر رہی ہیں اور حقیقت دیکھ کر جو حالات ہیں ان کے مطابق ہمیں جانا چاہیئے۔ جناب والا! ایک دن میں اپنے کمرے میں گیا تو مجھے ایک پمفلٹ ملا وہ امان اللہ خان صاحب کا تھا جو کشمیری لیڈر ہیں۔ انہوں نے اس میں صاف کہا تھا کہ ہم پاکستان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ ہم انڈیا کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ ہمیں ایک الگ ریاست چاہیئے۔ ہمیں ایک الگ ملک چاہیئے۔ تو جناب والا! یہ ایسی باتیں ہیں جن کا ہمیں سنجیدگی سے نوٹس لینا چاہیئے اگر کشمیری آزاد ہو گئے، اگر ان کی اپنی ایک ریاست وجود میں آئی تو ان کو باہر کی امداد کی ضرورت ہو گی اور اس وقت ایک ہی سپر پاور امریکہ ہے اگر وہ ان کو امداد دے گی تو وہ ان سے قیمت بھی لے گی اور وہ قیمت یہ ہو گی کہ وہاں پر بیٹھ کر پاکستان انڈیا سمیت اس ریجن کے سارے ممالک کو اپنی پالیسی پر چلانے کی کوشش کرے گا۔ تو جناب والا! یہ صرف انڈیا اور پاکستان کا مسئلہ نہیں ہے، یہ اس پورے ریجن کے ملکوں کا مسئلہ ہے۔ چین کا مسئلہ ہے اور یہ بھوٹان کا بھی مسئلہ ہے اور جناب والا! ہمارا ایک برادر ملک افغانستان ہے۔ اس میں ہم دیکھ لیں کہ ہماری پالیسی کیا ہے۔ پاکستان ایک ملک ہے۔ اس کی ایک حکومت ہے۔ اس کی وزارتیں ہیں۔ اس کا ایک سسٹم ہے، وجود ہے اور یہاں پر جناب والا! ایک سیاسی جماعت کا سربراہ بغیر حکومت کی اجازت کے وہاں جا کر بیٹھ گیا ہے اور وہ اس لئے بیٹھا ہوا ہے کہ جی میں امن قائم کروں گا۔ جناب والا! وہ کس حیثیت سے گیا ہے۔ قاضی صاحب ہمارے لئے محترم ہیں۔ یہاں جتنے بھی پارلیمنٹ کے ممبران ہیں ہمارے لئے قابل احترام ہیں لیکن قاضی صاحب اس ملک کے وزیر خارجہ تو نہیں۔ اس ملک کی حکومت نے ان کو بھیجا ہے تو حکومت کہے کہ جی ان کا وہ نمائندہ ہے۔ حکومت کا بھی نمائندہ نہیں، تو کیا یہ حکومت اتنی کمزور ہے کہ اپنی خارجہ پالیسی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھ سکتی جو بھی یہاں سے اٹھے اور کہے کہ جی میں فلاں جگہ جا رہا ہوں اور میں حکومت کا نمائندہ ہوں اور میں وہاں بیٹھ کر پاکستان کی طرف سے نمائندگی کروں گا تو جناب والا! میری حکومت سے

گزارش ہے کہ اس طرح کی باتوں کا وہ نوٹس لے۔ یہ کوئی اچھی باتیں نہیں ہیں اس ایوان میں 80 ممبران ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کسی جگہ جائے کہ جی میں ملک کا نمائندہ ہوں اور اس ملک کی خارجہ پالیسی میرے ہاتھ میں ہے، جناب یہ غلط بات ہے۔

جناب والا! آخر میں میری گزارش بلوچستان کے متعلق ہے۔ بلوچستان فیڈریشن کا انتہائی پسماندہ علاقہ ہے۔ جناب جہاں تک ڈیویلپمنٹ کی بات آتی ہے، بلوچستان کو ڈیویلپ کئے بغیر بلوچستان کی شاہراہیں تعمیر کئے بغیر، وہاں پر پورٹ تعمیر کئے بغیر اس ملک میں خوشحالی کسی طرح سے آ سکتی ہے۔ سنٹرل ایشیاء کی جب بات ہوتی ہے۔ کراچی کی ہمارے پاس ایک پورٹ ہے، اس کو آپ دیکھ لیں، وہ اپنے ملک کی ضرورتوں کے لئے بھی پورا نہیں ہے تو سنٹرل ایشیاء کو ہم کہاں سے پورٹ دیں گے۔ جناب والا! بابری مسجد پر جو بحث ہوئی تھی اس پر بحث کرنے کا موقع مجھے نہیں ملا تھا اس لئے اب میں تین چار منٹ اس کے متعلق بات کروں گا۔ جناب والا! جب بابری مسجد کی بات آتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عالم اسلام کا مسئلہ ہے، اس پر سارے مسلمان رنجیدہ ہیں لیکن اگر ہم حقیقت سے دیکھیں تو برصغیر سے باہر وہ کسی کا مسئلہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہے باہر کے حکمرانوں نے بیانات دے دیئے۔ یو اے ای جو ہمارا مسلمان دوست ہے اس کو آپ دیکھیں اس نے جناب وہاں پر جن لوگوں نے مزاحمت کی ان کو اپنے ملک سے نکالا اور پھر یہ کہا کہ جی یہ غیرقانونی طور پر وہاں رہ رہے تھے، کیا وہ ایک ہی دن میں سارے آئے تھے؟ اگر وہ وہاں رہ رہے تھے تو وہ تو تین چار سال سے رہ رہے تھے۔ جناب والا! یہ ایک انتہائی سنجیدہ اور ایک انتہائی پیچیدہ بات ہے۔

جناب والا! مندر، مسجدیں، چرچ سب کے لئے قابل احترام ہیں۔ وہاں پر مسجد گرائی گئی اور یہاں پر مندروں کے ساتھ جو حشر ہوا، وہ بھی کچھ اچھا نہیں ہوا اور جنوبی ایشیا پچھلے آٹھ دس سال سے بنیاد پرستوں کی زد میں ہے۔ بی جے پی کو آپ وہاں دیکھیں اندرا گاندھی کے زمانے میں اس کی دو اسمبلی میں نشستیں تھیں۔ آج اس کی 99 نشستیں ہیں اس سے واضح ہو رہا ہے کہ وہاں پر بنیاد پرست ہندو مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یہی حال ہمارے ہاں ہے جناب والا! مجھے تو وہ دن دکھائی دے رہا ہے کہ اگر ہم نے اس پر قابو نہیں پایا تو کسی دن یہ بیس کروڑ مسلمان وہاں کے اور ساٹھ کروڑ آمنے سامنے ہو جائیں گے اور ظاہر ہے وہ

کہاں جائیں گے۔ بنگلہ دیش جائیں گے یا ہمارے ہاں آئیں گے اور ہمارے پاس جو اب دس کروڑ مسلمان ہیں، ہم ان کو پینے کے لئے پانی نہیں دے سکتے تو کیا ہم ان بیس کروڑ مسلمانوں کو یہاں بسا سکتے ہیں۔ نہیں جناب والا! یہ کچھ ایسے مسائل ہیں جن پر ہمیں سنجیدگی سے اور ایماندارانہ طور پر غور کرنا چاہئیے تو جناب والا! انہی الفاظ کے ساتھ میں اپنی تقریر ختم کئے دیتا ہوں۔ پاکستان زندہ باد!

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ جناب احسان شاہ صاحب۔ سید برکات احمد شاہ صاحب۔

سید برکات احمد: شکریہ جناب والا! قیام پاکستان سے اب تک صدر پاکستان ملک کے اہم ترین عہدوں پر فائز رہے ہیں، ان کا خطاب ایک پختہ اور مدبرانہ ذہن کی عکاسی کرتا ہے اور ہر لحاظ سے جامع اور مکمل ہے۔ صدر مملکت نے اپنے خطاب کے شروع میں یہ فرمایا ہے کہ صدر مملکت کا سالانہ خطاب محض ایک رسمی کارروائی نہیں بلکہ ایک بامقصد آئینی فریضہ ہے جس کے تحت ملک کا ایک ادارہ یعنی انتظامیہ، دوسرے ادارے یعنی مقننہ کے سامنے اپنی کارکردگی و جائزہ پیش کرتا ہے اور نئے پارلیمانی سال کے آغاز پر عوامی نمائندوں کو اپنے آئندہ لائحہ عمل اور حکمت عملی کے بارے میں اعتماد میں لے کر ان قومی معاملات اور ملکی مسائل پر غور و فکر اور بحث و تمحیص کی دعوت دیتا ہے۔ اس لائحہ عمل اور حکمت عملی کے متعلق چند ایک ایسے مسائل ہیں جو تفصیل طلب ہیں اور میں اپنی گزارشات کو انہی مسائل کی نشاندہی تک محدود رکھوں گا۔

سب سے پہلے صدر پاکستان نے یہ کہا کہ جمہوری نظام میں جو دو بڑی مشکلات ہمیں پیش آرہی ہیں، ان میں ایک تو یہ کہ عام آدمیوں کے لئے یہ اب مشکل ہو رہا ہے کہ وہ اس ایوان تک پہنچ سکیں کیونکہ اس میں اتنی زیادہ رقم کی ضرورت پڑتی ہے کہ عام آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ اور دوسرا آپ نے اس کی نشاندہی کی ہے کہ اب تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں ہو سکا کہ امیدواروں کو اہلیت کی ان تمام شرائط کی کسوٹی پر پرکھا جا سکے جو آئین میں متعین کی گئی ہیں۔ اس کے متعلق کوئی واضح حل تجویز نہیں ہوا۔ اسی ایوان میں چند حضرات نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر موجودہ نظام کو تبدیل کر کے متناسب نمائندگی (جسے proportional representation کہا جاتا ہے) کو یہاں پر متعارف کیا جائے

تو بہت حد تک ان مشکلات کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ چند اور ممالک میں، جرمنی میں، بلجیم میں اور دیگر یورپین ممالک میں بھی متناسب نمائندگی کا نظام نافذ ہے۔ اور وہ بہت حد تک یہ جو ہماری مشکلات یہاں پر ہیں ان کا وہ یقینی طور پر ازالہ کر سکتا ہے۔ اور اس کے متعلق صدر محترم نے بھی فرمایا ہے کہ ایسے اشخاص جو امیدواری کی آئینی شرائط پوری کرتے ہوں، ایوان میں پہنچ سکیں، اور حتی الوسع ہر طبقے کی نمائندگی ہو سکے۔ تو اس متناسب نمائندگی کے نتیجہ میں یہ بھی ممکن ہو گا کہ ہر طبقے کے لئے متناسب نمائندگی ہو سکے۔

اس کے بعد آپ نے کورم کی کمی کی روز افزوں شکایت اور اجلاس سے وزراء کی غیر حاضری کے رجحان کے متعلق بھی کہا ہے کہ اس سے بھی عوام پر کوئی اچھا تاثر نہیں پڑتا۔ جہاں تک وزارء کی غیر حاضری یا حاضری کاتعلق ہے، یہ خالصتاً حکومت کا معاملہ ہے، ان کو کوئی نہ کوئی ایسا قانون وضع کرنا چاہیئے۔ اتنی زیادہ تعداد میں وزراء موجود ہیں کہ اگر ان کا ایک چوتھائی بھی یہاں آ سکیں، اس لحاظ سے بھی ان کی نمائندگی بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے۔ جہاں تک پارلیمنٹ کے اراکین کے کورم کا تعلق ہے،

(اس مرحلے پر پریذائیڈنگ آفیسر میر عبدالجبار کی جگہ چیئرمین سینٹ جناب وسیم سجاد کرسیٔ صدارت پر متمکن ہوئے)

سید برکات احمد: مجھے شاید موجودہ قوانین سے پوری طرح واقفیت نہیں ہے لیکن میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ہر اجلاس کے شروع میں چند ایک درخواستیں آتی ہیں، پانچ یا چھ، اس سے زیادہ درخواستیں نہیں ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے جہاں تک ان پانچ چھ درخواستوں کا تعلق ہے، ان کا غیر حاضر رہنا تو قابل فہم ہے۔ لیکن 88 کے ہاؤس میں پانچ چھ درخواستیں آ جائیں تو اس کے بعد بھی یہاں ستر اسی آدمی موجود ہونے چاہئیں۔ مگر اس سے آدھا حصہ یا تیسرا حصہ بھی یہاں موجود نہیں ہوتا۔ اس کا میں سمجھتا ہوں کہ کوئی نہ کوئی تدارک ہونا چاہیئے

اور کوئی ایسا قانون لاگو ہونا چاہیئے ممبران کے اوپر جس میں اس امر کو یقینی بنایا جا سکے کہ ان کی کافی تعداد اس ایوان میں موجود رہے۔

اس کے بعد صدر پاکستان نے ذکر کیا ہے کہ ملکی تاریخ کے بدترین سیلاب اور بارشوں نے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت نے ان آدمیوں کو دوبارہ آباد کرنے کا بڑی اچھی طرح انتظام کیا اور خاص کر وزیراعظم نے بہت زیادہ دورے کئے اور تقریباً ہر ایک جگہ پر گئے جس سے وہاں کے رہنے والوں کو بھی تسلی ہوئی، لیکن ایک چیز جو ابھی تک واضح نہیں ہو سکی وہ یہ ہے کہ اسمبلی کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جو کہ ان حالات کے اوپر اپنی باقاعدہ رپورٹ پیش کرے کہ یہ تباہی کیسے ہوئی، اور سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس قسم کے واقعات کو دوبارہ ہونے سے روکنے کیلئے کس قسم کا سدباب ہو سکتا ہے جہاں تک میرا علم ہے ابھی تک وہ رپورٹ پیش نہیں کی گئی۔ اگر یہ رپورٹ اگلی گرمیوں تک جب دوبارہ سیلاب آنے والے ہوں گے پیش کی گئی تو یقیناً یہ بے معنی ہو جائے گی۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ قوم کے لئے بھی اور اس ہاؤس کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ہمیں اس کمیٹی کی رپورٹ کے بارے میں معلوم ہونا چاہیئے اور خاص کر اس کے متعلق ہمیں اطلاع دی جائے کہ حکومت کے کیا ارادے ہیں کہ اگراس قسم کے سیلاب اس کے بعد بھی آتے رہے تو حکومت کا کیا انتظام ہے، وہ کیا کرنا چاہتے ہیں ایسے سیلابوں کو اور ایسے حادثات کو روکنے کے لئے۔

نج کاری کے متعلق پہلے مقررین نے بھی اظہار خیال کیا ہے اب تک تو جو کام ہوا ہے وہ بڑی حد تک قابل ستائش ہے۔ جو فنانس کمیٹی اس ہاؤس کی مقرر کی ہوئی ہے اس میں مفصل طور پر اس کے متعلق یہ واضح کیا گیا کہ نج کاری میں کوئی گھپلا نہیں ہوا۔ سارا کام بڑے احسن طریقے سے طے پایا ہے اور یہ نج کاری کا کام بڑے اچھے طریقے سے چل رہا ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اپوزیشن کہتی ہے کہ اس میں کوئی گھپلے نہیں ہوئے ہیں، بلکہ بڑے اچھے طریقے سے وہ کام چل رہا ہے۔ البتہ ایک چیز جو ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت یہ نج کاری کی پالیسی بنائی گئی اس وقت ہمیں جو یہاں پر بتایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ اس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ کروڑوں اور اربوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے، وہ رک جائے گا، یا کم ہو جائے گا بلکہ اس کے نتیجے میں جو

رقم ہمیں مہیا ہو گی وہ اتنی زیادہ ہو گی کہ ہم اپنی معیشت کو سہارا دے سکیں گے۔ ابھی تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ نج کاری کے نتیجے میں کتنی رقم اکٹھی ہوچکی ہے اور اس کا خرچ کہاں کیا گیا ہے۔ خیال یہ تھا کہ کم از کم ممکن ہے کہ اتنی زیادہ رقم ہو جائے کہ ہمارے جو بیرونی قرضے ہیں ان کو کسی حد تک کم کرسکیں۔ لیکن ابھی تک ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ اتنی بڑی رقم جو نج کاری کے نتیجے میں جمع ہوئی ہے وہ کس طرح خرچ ہوئی ہے، کس کھاتے میں گئی ہے۔

اس کے بعد حکومت کی اقتصادی اصلاحات کے متعلق کچھ اعدادوشمار دیئے گئے ہیں جو کہ بہت تسلی بخش ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک ترقی کی طرف جا رہا ہے۔ لیکن اس میں، میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگرچہ ہماری قومی آمدن 5.61 سے بڑھ کر 6.4 تک ہو گئی ہے لیکن عام impression یہ ہے کہ جہاں تک زراعت کا تعلق ہے اس میں اتنی ترقی نہیں ہو سکی جتنی کہ ہونی چاہیئے تھی اور اس کے نتیجے میں اب ہمیں لاکھوں ٹن گندم باہر سے لانی پڑ رہی ہے اور حالات ایسے ہیں کہ اگر اسی طریقے سے چلتے رہے تو غالباً پانچ چھ سال تک ہم نہ صرف یہ کہ خود کفیل نہیں ہو سکیں گے بلکہ ہمیں کوئی سمجھ نہیں آئے گی کہ ہم کہاں سے اتنی کثیر رقم لائیں تاکہ اپنی آبادی کو یہاں پر کھانا مہیا کر سکیں۔ اس طرف میں سمجھتا ہوں کہ خصوصی توجہ کی ضرورت ہے کہ زراعت، خاص کر فی ایکٹر پیداوار کو بڑھانے کی طرف توجہ دی جائے۔

اس کے بعد صدر محترم نے فرمایا ہے کہ میں یہاں یہ یاددہانی کرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہمارے سماجی مسائل کا شافی حل ایک اسلامی معاشرہ کے قیام میں مضمر ہے - یہ حکومت جیسے کہ آپ کو علم ہے ایک اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے معرض وجود میں آئی تھی ان کا الیکشن کا جو منشور تھا - اس میں سب سے پہلے یہی شرط شامل ہے کہ حکومت میں آنے کے بعد وہ اس معاملے میں اپنی پوری کوشش کریں گے - اور جلد سے جلد یہاں پر اسلامی معاشرہ کا قیام کریں گے - اب ان کو دو ڈھائی سال تقریباً آدھی مدت گزر چکی ہے لیکن اس طرف کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا گیا جس سے ہمیں یہ تسلی ہو کہ کوئی سنجیدہ کوشش اس کے بارے میں کی جا رہی ہے جس کے نتیجے میں بہت جلد اسلامی نظام یہاں پر نافذ ہوگا -

ایک بات اس کے متعلق صدر محترم نے کہی ہے میں اس کی طرف خصوصی توجہ دلانا چاہوں گا- وہ یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی متعدد سفارشات کو اب تک عملی جامہ نہیں پہنایا گیا حالانکہ ان میں سے بعض براہ راست ان مسائل سے تعلق رکھتی ہیں جن کے حل کے ہم متلاشی ہیں - اس کے متعلق میں صرف یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اس ہاؤس میں بھی بارہا اس کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے جو رپورٹس مرتب کی ہیں وہ بے حد مفید ہیں- وہ بڑی محنت سے تیار کی گئی ہیں اور اگر ہم ان کا باقاعدہ مطالعہ کریں، ان پر یہاں بحث ہو اور اس کے بعد ان کو عملی جامہ پہنایا جائے - تو اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور قریب ہو جائے گی اور اس کی تشکیل میں کوئی مشکل بھی پیش نہیں آئے گی - لیکن میں یہ تجویز کروں گا کہ جتنی جلدی ہو سکے اگر ہو سکے تو اگلے سیشن میں ہی اس موضوع کو یہاں پر اس ہاؤس میں زیر بحث لایا جائے تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ اس کام میں کہاں تک ترقی ہو چکی ہے - اس کے علاوہ جو کام وزارت مذہبی امور کو سونپا گیا ہے انہوں نے اپنی رپورٹس مرتب کر دی ہیں اور وہ بہت جلد حکومت کو پیش کر رہے ہیں- چونکہ میں خود بھی اس کا ممبر ہوں مجھے اس کا علم ہے کہ انہوں نے بہت محنت سے وہ رپورٹس تیار کی ہیں جن کی وجہ سے اسلامی نظام کا حصول ہمارے لئے ممکن ہو گا اور ہمیں امید ہے کہ حکومت، جس طریقے سے رپورٹس پیش کی جا رہی ہیں ان کی منظوری دے دے گی اور نہ صرف منظوری دے گی بلکہ ان کو قابل عمل بھی بنائے گی -

جہاں تک امور خارجہ کا تعلق ہے یہ فرمایا گیا ہے کہ حال ہی میں پاکستان کو سلامتی کونسل کا رکن منتخب کیا گیا ہے - اور اس سلسلے میں، میں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ یو این کے ہر ممبر کو باری باری رکن منتخب کیا جاتا ہے- اس میں پاکستان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوئی - البتہ یہ ضروری ہے کہ ہم اب چونکہ سال کے لئے ممبر منتخب ہو چکے ہیں تو ہم پوری پوری کوشش کریں کہ اس موقعہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں - اوراپنی بہترین صلاحیتیں اس کے اوپر صرف کریں کہ اس میں ہم effective پارٹ ادا کر سکیں - کشمیر کے متعلق تقریباً ہر ایک سپیکر نے یہاں پر بات کی ہے میں صرف یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ کشمیر کا اور دوسرے ممالک کا معاملہ کسی حد تک اس لحاظ سے مختلف بنتا ہے کہ باقی ممالک میں جس میں اسلامی ممالک بھی شامل ہیں جنہوں نے ابھی حال ہی میں حصول آزادی کی کوشش کی- ان میں کم سے کم یہ چیز نمایاں تھی کہ ان کی

سو فیصد آبادی freedom struggle میں شامل نہیں تھی- اب افغانستان کو ہی لے لیں - اگرچہ بہت بڑی آبادی مجاہدین کے ساتھ تھی لیکن اس کے باوجود بھی وہاں ایک ایسی حکومت قائم تھی جو کہ ان کے مخالف تھی - کشمیر ایک واحد ایسا علاقہ ہے جہاں کی آبادی کا ایک فیصد بھی ایسا نہیں ہے جو ہندوؤں سے پیچھا نہیں چھڑانا چاہتا ہو - اس لحاظ سے ان کی تحریک ہر لحاظ سے آزادی کی تحریک بنتی ہے - اگر اس آزادی کی تحریک کی حمایت کی جائے تو پھر ہمیں کسی صورت بھی دہشت گرد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہماری ہمدردیاں ایسی تحریک کے ساتھ ہیں جس ملک کا ہر ایک فرد آزادی چاہتا ہے -

بابری مسجد کے متعلق بھی تقریباً ہر ایک سپیکر نے ذکر کیا ہے- میں صرف اس میں یہ کہنا چاہتا تھا جس طرح صاحب صدر نے فرمایا ہے، بابری مسجد کی شہادت کو دنیا پاکستان اور بھارت کا دو طرفہ معاملہ نہ سمجھے - اس کا تعلق انسان کے بنیادی حقوق سے ہے جن کا تحفظ پوری دنیا کی ذمہ داری ہے - بابری مسجد بذات خود ایک مسجد ہے- ہندوستان میں ہزارہا مساجد ہیں جن میں سے کم از کم تین ہزار ایسی ہیں جن کو وہ اس وقت سیوک سنگھ والے گرانے کی فکر میں ہیں اور ان کے پروگرام کا حصہ ہے- تو اصل میں یہ مسئلہ صرف بابری مسجد کا نہیں ہے - بلکہ بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسا کام شروع کر دیا ہے- جس کو اگر وہ جاری رکھیں گے تو ہندوستان میں بارہ کروڑ یا پندرہ کروڑ مسلمانوں کا جو مستقبل ہے وہ خطرے میں پڑ جائے گا اور ان کا مذہب، ان کا تہذیب و تمدن ملیا میٹ ہو جائے گا - اور ہمیں اسی لحاظ سے سوچنا چاہیئے اور اسی لحاظ سے اس کی سنجیدگی کے اوپر غور کرنا چاہیئے -

ہندوستان کے ساتھ تعلقات کا جہاں تک تعلق ہے - بعض حضرات نے یہاں پر کہا ہے کہ ان کے ساتھ بہتر تعلقات رکھنے چاہئیں - ہماری گورنمنٹ بھی عام طور پر یہی کہتی رہتی ہے کہ ہم ہندوستان کے ساتھ بہتر تعلقات رکھنا چاہتے ہیں- صرف ایک چیز جو اس میں مانع ہے وہ کشمیر کا مسئلہ ہے - میں سمجھتا ہوں یہ صرف کشمیر کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہندوستانیوں کی اپروچ ہے جو ان کا مسلمانوں کے ساتھ سلوک ہے- وہ ممکن ہے خدا کرے کہ حالات ٹھیک ہو جائیں - لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی جو ان کا مسلمانوں کے ساتھ رویہ ہے اس میں بہت تبدیلی نہیں آئے گی بابری مسجد کے بعد بمبئی کا معاملہ حال ہی میں

پیش آیا ہے جس میں آپ کو معلوم ہے کہ تقریباً ایک لاکھ مسلمان متاثر ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو بمبئی کا شہر چھوڑنا پڑا - اس کے علاوہ میں نے ابھی ایک ہفتہ ہوا رسالہ "ٹائم" کا شاید پندرہ فروری کا آرٹیکل اسی موضوع پر دیکھا اور میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ اگر آپ کی نظر سے وہ نہ گزرا ہو تو اس کو آپ دیکھیں - اس میں ایک چیز اور بھی تکلیف دہ معلوم ہوتی ہے- وہ یہ ہے کہ بمبئی کے فسادات میں وہاں کی پولیس نے باقاعدہ حصہ لیا - اور انہوں نے 77 کیسٹ ایسی تیار کی ہیں اکٹھی کر لی ہیں جس میں ایک پولیس دوسری پولیس کو یہ کہہ رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی مسلمان ملیں ان کو نیست و نابود کر دو- یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ عام جو چند ایک متعصب ہندو کر رہے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کی حکومت اور پولیس بھی مسلمانوں کے پیچھے لگی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے -

افغانستان کا معاملہ ایک بہت ہی نازک مسئلہ ہے- میں سمجھتا ہوں کہ جو جنگ افغانستان میں مجاہدین نے لڑی ہے اس کا دنیا کی تاریخ میں کم از کم پچھلے ایک سو سال میں کوئی مثال نہیں ہے- جس ہمت اور جس جذبے کے ساتھ جنگ یہ لڑی گئی ہے میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی تاریخ میں ان کا نام سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے- ان کو یہ کہنا کہ صرف وہ فساد کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے تھے، یہ ایک بالکل بے معنی بات ہے - یہ ہو نہیں سکتا کہ تین چار ملین افغان وہاں سے ہجرت کر آئیں اور ان کا مقصد یہ ہو کہ اس ہجرت میں کوئی ذاتی فائدہ پہنچے گا بہرحال انہوں نے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ اس جنگ کو کہے کہ وہ حصول اقتدار کے لئے لڑی گئی تھی- بہرحال جوحالات فی الوقت پیدا ہو رہے ہیں- وہ ہمارے لئے یقیناً بڑے پریشان کن بھی ہیں- یہ کہا گیا ہے کہ وہاں پر ایک فوجی جرنیل بھیجا گیا ہے- گورنمنٹ نے بھیجا ہے اور کسی نے بھیجا ہے - میں صرف یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اس جرنیل نے افغانستان کی بہت بڑی خدمت کی ہے - انہوں نے وہاں کے آدمیوں کو ٹرینڈ کرنے اور وہاں سپلائی پہنچانے کے لئے اتنے اچھے انتظامات کئے کہ جن کی وجہ سے ان کو فتح نصیب ہوئی- اب اگر وہ گیا ہے تو وہ ذاتی capacity میں گیا ہے- ان کے اپنے بڑے تعلقات ہیں ہر ایک پارٹی کے ساتھ اور مجھے اس کا ذاتی علم ہے کہ وہ اس لئے گئے ہیں کہ وہاں پر ان کی مشکلات اور آپس کے اختلافات کو ختم کیا جا سکے اور آپ نے یہ دیکھا ہو گا کہ

ان کے جانے کے بعد وہاں پر لڑائی رک گئی ہے اور ابھی تک رُکی ہوئی ہے۔ اور ان کی کوششوں کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ قاضی صاحب کا جو رول ہے، وہ بھی اگرچہ میں ان کی پارٹی کا نہیں ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی وہاں پر ایک گروہ میں کافی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور وہ بھی جہاں تک میرا خیال ہے اسی لئے گئے ہیں کہ مختلف گروہوں میں صلح کرا سکیں۔ پاکستان کا رول یہی ہونا چاہئے کیونکہ ہمارے لئے یہ بہت نازک مسئلہ ہے لیکن ہمارا رول یہی ہونا چاہئے کہ یہ جنگ بند ہو جائے اور اس کے علاوہ پاکستان کو کسی بھی صورت میں ایک پارٹی کی حمایت نہیں کرنی چاہئیے۔ کوشش یہ ہونی چاہئیے کہ اس ہمسایہ ملک میں جس کسی بھی پارٹی کی حکومت ہو بہرحال وہ پاکستان کی ہمدرد حکومت ہو اور ہمیں وہ مشکلات پیش نہ آئیں جو افغانستان میں آج سے پندرہ بیس سال پہلے پیش آ رہی تھیں۔ باقی دنیا کے تعلقات میں امارات کا ذکر بھی آیا ہے کہ وہاں پر ایک چھوٹی سی بات یا آپ اسے بڑی بات کہ لیں کہ تلور کے شکار پر پابندی لگانے پر ان کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر صرف یہی وجہ ہے ان کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے اور ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئیے کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ ہم کسی ایک پرندے کے شکار کی جو مذمت کر رہے ہیں۔ میں ایک ایسے علاقے سے تعلق رکھتا ہوں یعنی کوہستان نمک جو ضلع جہلم میں ہے۔ ہمارے علاقہ میں آج سے 50، 60 سال پہلے ہرن اس قدر زیادہ تعداد میں تھے کہ اگر گھر سے آدھے میل کے فاصلہ پر جانا ہو تو راستے میں غول کے غول ملتے تھے۔ اب حالت یہ ہو گئی ہے وہاں پر ہماری agencies ایسی ہیں جنہوں نے وہاں پر آ کر رات کو گاڑیوں کے اوپر بیٹھ کر ان کو سرچ لائٹ سے بڑی بری طرح قتل کیا ہے۔ حالت یہ ہو گئی کہ اب وہاں شاذونادر ہی کوئی ہرن نظر آئے۔ وہاں کی پولیس وغیرہ کو کسی طرح یہ جرات نہیں ہوئی کہ ان کو اس کام سے منع کر سکے۔ اسی طرح تیتر بھی تھے جو ختم ہو رہے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک پارٹی کے اوپر قیود لگا دینا اور اس سے اپنے تعلقات کو اس حد تک خراب کر دینا کہ ہمارے ہزارہا آدمی جو وہاں کام کر رہے ہیں ان کو نقصان ہو یہ کسی صورت ٹھیک نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس کا بہتر طریقہ یہ ہو گا کہ ان کو لائسنس اس طریقہ سے دیئے جائیں کہ ان کے اوپر یہ قید لگا دی جائے کہ آپ اس سے زیادہ شکار نہیں کر سکتے۔ اگر اسی وجہ سے ان کے تعلقات ہمارے ساتھ خراب ہوئے ہیں۔ روس کے متعلق جو ذکر اپنے خطاب میں صدر صاحب نے کیا ہے ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی جو

توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔ اپنے خطاب میں آپ فرماتے ہیں کہ روس سے پاکستان کے تعلقات کا نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ روس کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے کہ پاکستان کے خلاف سابقہ معاندانہ رویہ اور امتیازی سلوک سویت یونین کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو چکا ہے چنانچہ ہمیں یقین ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان روابط کا فروغ، باہمی مفاد پر تعاون کو نئی جہت عطا کریگا۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی یہ توقعات پوری نہیں ہوئیں ابھی حال ہی میں روس کے صدر نے ہندوستان میں جا کر جو تقاریر کیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے باوجود جہاں تک کمیونزم کا تعلق ہے وہ اپنی روش کو چھوڑ چکے ہیں لیکن جہاں تک مذہب اسلام سے مخالفت کا تعلق ہے وہ اسی طرح ابھی تک قائم ہے اور اس میں، میں سمجھتا ہوں ہماری خارجہ وزارت کو کافی محنت کرنی پڑے گی۔ کافی کوشش کرنی ہو گی کہ جب روس اپنے بنیادی اصولوں کو چھوڑ چکا ہے تو کس طرح وہ ہماری مخالفت کو کم کرسکتا ہے۔

امریکہ کا پاکستان کو دہشت گردوں کی فہرست پر رکھنا میں سمجھتا ہوں کہ ایک نہایت ہی قابل نفرت اور غیر دوستانہ فعل ہے۔ اس کے کیا نتائج ہوں گے وہ تو وقت گزرنے پر ہی معلوم ہو سکتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کا رویہ جو اب ہمارے ساتھ ہے کسی صورت بھی اس کو دوستانہ نہیں کہہ سکتے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی مشکل حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے ہماری فارن پالیسی بڑی کامیاب ہے لیکن اگر آپ اس پر غور کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس پالیسی میں کافی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں، جن کے حل کے لئے وزارت خارجہ کو زیادہ محنت کی ضرورت ہے کہ وہ پوری پوری کوشش کریں کہ پاکستان کا image دوسرے ملکوں میں ٹھیک طرح سے پیش ہو۔ اور جہاں تک اور ممالک میں اپنے لئے ہمدردی پیدا کر سکتے ہیں یا دوست بنا سکتے ہیں اس پر ہمیں کام کرنا چاہئے۔

میں آخر میں صرف یہی عرض کرنا چاہوں گا کہ آٹھویں ترمیم کے متعلق بھی یہاں باتیں ہوئی ہیں۔ اس میں یقیناً مزید ترامیم کی ضرورت ہے۔ جو آئین 1973ء میں منظور ہوا تھا۔ بظاہر وہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مطلب کے لئے بہت موزوں تھا اور وہ متفقہ طور پر منظور ہوا تھا اس کے بعد بھٹو صاحب کے دور میں اس میں ایسی ترامیم لائی گئیں جو کہ وزیراعظم کے حق میں تھیں اس کے بعد فوجی دور میں کوشش ہوئی اور آٹھویں ترمیم منظور ہوئی جس سے کہ جو بیلنس تھا

وہ بھی ڈسٹرب ہو گیا۔ بہر حال یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب 20 سال گزر گئے ہیں ہمیں مختلف تجربات بھی ہو چکے ہیں اس کا اندازہ بھی بہت سارے حضرات کو ہو چکا ہے کہ اس میں کونسی ترامیم درست تھیں یا غلط تھیں بہتر ہو گا اگر اب دوبارہ اس پر بحث کی جائے بیٹھ کر مناسب ترامیم کے ساتھ ایک ایسا کوئیآئین بنایا جائے جو کہ قابل عمل بھی اور سب کے لئے قابل قبول بھی ہو اور اختیارات میں توازن پیدا کیا جائے! بہت شکریہ۔

جناب چیئرمین : ڈاکٹر بشارت الٰہی صاحب آج آپ کرنا چاہیں گے۔

ڈاکٹربشارت الٰہی : اگر اتوار کو آپ مجھے موقع دے دیں کیونکہ آج میری آواز صحیح نہیں ہے۔

جناب چیئرمین : اور کوئی اگر بولنا چاہے آج کے دن۔ تو دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اتوار کو صبح رکھا جائے یا شام کو رکھا جائے۔ شام کو افطار کا وقت چھ بجے ہے اگر ہم 4 بھی رکھیں درمیان میں نماز کا وقت بھی ہو گا پھر یہ معاملہ ختم نہیں ہو گا۔ صبح ہی ٹھیک ہے جی۔

So, the House is adjourned to meet again on Sunday at 10.00 a.m. on 28.2.1993.

[The House adjourned to meet again at 10 of the clock in the morning on Sunday, February 28, 1993].